فہرست مضامین انتخاب کلیات نظیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میر ولی محمد نظیر اکبرآبادی

اس شاعر بے نظیر کا نام ولی محمد اور تخلص نظیر ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مؤلف تذکرۂ گلشن بے خار نے غلطی سے اُسے شیخ لکھا ہے مگر اُس کے شاگرد حکیم میر قطب الدین باطن نے تذکرۂ گلستان بے خزاں میں اس غلطی کا ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ سید تھا۔ اس کے والد میر محمد فاروق اکبرآباد کے شرفا میں سے تھے۔ اور نوری دروازہ (آگرہ) میں رہا کرتے تھے۔ نظیر کی دادی نواب سلطان خاں قلعدار آگرہ کی بیٹی تھیں۔ نواب سلطان خاں رہنے والے تو دہلی کے تھے مگر آگرہ میں انھوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ نظیر کی ولادت نادرشاہ کے حملے سے تین چار سال پہلے روشن اختر ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ کے عہد میں ہوئی۔ نادرشاہ دہلی میں ۹ مارچ ۱۷۳۹ء (۱۹ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ) کو داخل ہوا تھا۔ چونکہ تاریخ کے مصرعوں سے نظیر کا

سن وفات ۱۲۴۶ھ (= سنہ ۱۸۳۰ء) ثابت ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے
کہ انتقال کے وقت اُس کی عمر سنو سال کے قریب تھی۔ اس لئے قیاس
یہ ہے کہ اس کی ولادت سنہ ۱۱۴۷ھ (= سنہ ۱۷۳۴ء) یا ۱۷۳۵ء میں ہوئی۔
اُس کی تعلیم اُسی طرح کی ہوئی جیسی اُس زمانے کے شرفا کے یہاں
بچوں کی ہوا کرتی تھی۔ اُس وقت انگریزی مدرسے تو تھے نہیں۔
حیثیت والے اپنے لڑکوں کے پڑھانے کے لئے کسی اچھے خاصے
پڑھے لکھے کو تجویز کر لیتے۔ گھر میں کوئی جگہ اُسے دے دیتے
وہاں وہ اُن کے لڑکوں کے ساتھ اور لڑکوں کو بھی بیٹھکر پڑھاتا۔ لڑکے
ہندو بھی ہوتے اور مسلمان بھی۔ اس کی ضرورت نہ سمجھی جاتی کہ سب
ایک ہی سبق پڑھیں۔ کوئی قاعدہ بغدادی پڑھتا۔ کوئی کریما۔ کوئی
گلستاں، کوئی اور اونچی کتاب۔ پڑھنے پڑھانے کی یہ جگہ مکتب کہی
جاتی۔ یہاں فارسی کے ساتھ عربی بھی پڑھائی جاتی۔ کتابیں معیّن
اور مخصوص تھیں جو مدتوں سے درس میں داخل کر لی گئی تھیں۔ انکے
مطالب معلم اپنے اپنے طور پر متعلمین کو بتاتے۔ اردو کی کوئی کتاب
پڑھائی نہ جاتی۔ بہت ہوتا تو امیر خسرو کی خالق باری پڑھا کر زبانی
یاد کرا دیتے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا کہ بھانت بھانت کے الفاظ کے عربی و فارسی
مترادفات لڑکوں کو معلوم ہو جاتے۔ فارسی ملک پر قبضہ کئے ہوئے تھی
سرکاری دفاتر فارسی میں تھے۔ علما اور فضلا جو کتابیں تصنیف کرتے
وہ فارسی یا عربی میں ہوتیں۔ اردو بولی تو جاتی مگر اس زبان میں کتابیں

تصنیف نہ کی جاتیں۔ اردو بھی وہ نہیں تھی جو آج ہم بولتے ہیں اسوقت کے بہتیرے الفاظ اب متروک ہیں۔ فارسی کا رواج زیادہ تھا۔ لوگ خط وکتابت فارسی ہی میں کرتے تھے۔ فارسی بھی وہ نہیں تھی جو ایران میں بولی جاتی تھی۔ بلکہ ہندوستان کی ضرورت نے مجبور کیا تھا کہ اُس فارسی میں تصرف کیا جائے اور بہت سے نئے الفاظ و محاورات اُس میں شامل کر لئے جائیں۔ دفاتر میں یہ الفاظ و محاورات بہت استعمال کئے جاتے تھے۔ پروانگی (= اجازت) طرفدار (= جنبہ دار) اور افسر (= سردار) اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ اِن میں سے بعض بعد کو ایرانیوں نے بھی استعمال کرنے شروع کر دئے۔ عربی میں بھی تصرف کیا گیا۔ مگر وہ تصرف اہل زبان نے پسند نہ کیا۔ بلکہ اُس کا مضحکہ اُڑایا۔ جب مفتی امر اللہ خاں مرحوم نے مُتَنَبّی کے قصیدے پر قصیدہ لکھا اور یہ اشعار کہے ؎

منصفا لجدال صارم الجازی ظفرۃ اللیث مخلب البازی

بل ھلال لعید قربان و مثال للحظ طتازی

تو احمد عرب مصنف نفحۃ الیمن نے لکھا کہ یہ خان اعجوبہ ہندوستان ہے۔ اس کی غرض عید قربان سے شاید عید النحر ہے۔ کیونکہ عربی میں عید قربان نہیں کہتے۔ عید النحر۔ عید الاضحیٰ یا عید الحج کہتے ہیں یکتب میں مختلف طبقے مختلف حیثیت اور مختلف مذاق کے لڑکے ہوتے تھے جیسے آج کل کے مدارس میں ہوتے ہیں۔ اُن کے اشغال اور شوق

بھی طرح طرح کے ہوتے۔ نظیر اُن سب اشغال میں شرکت کرتا جیسا وہ خود کہتا ہے ؎

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری — زنار باندھ قشقہ کھینچا ہے ہو پجاری
جوگی بھی بن چکے ہیں مندیل بھی سنواری — آزاد بن کے اس دم ہیں فقیر بدیکے بھکاری
اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنسکے او پری رد آنکھیں لڑائیے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا — شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑ کھڑایا
بانک وپٹا و بلم گتکا و لٹھ پھرایا — جھمکا نکھارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کو آگئے ہیں مُنھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنسکے او پری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچہ بٹے کا پالا — اس جال میں کبھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا گلہری تو تا شکرا شکار والا — اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے لالا
اک دم کو آگئے ہیں مُنھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنسکے او پری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اُتارا — کتنے پری رخوں کو جا پیر نے میں مارا
تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا — اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر یارا
اک دم کو آگئے ہیں مُنھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنسکے او پری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

کشتی میں کتنی مُدت ہم نے بدن کو توڑا — سو گلبدن کے تن کو مس ماننا مروڑا

جو ڈھب تھا اُس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا   اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آ گئے ہیں مُنھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اُڑائے   کنکوے پتنگ گُڈّی تکلیں پتنگ بنائے
کھٹے والے بن ہزاروں چھاپے تلک لگائے   ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں مُنھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر لعل بھی لڑائے اور بگلے میں بھی پالیں   جنگل میں کل لگائیں اور بیڈریاں پھنسالیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی مل مکڑیاں بنالیں   کیا کیا نہ ہم نے پیارے پھر پھدکیاں نچالیں

اک دم کو آ گئے ہیں مُنھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

خرّادی ہو کے ہم نے لٹّو چکّی بنائے   اُس میں بھی کتنے لڑکے خرّاد پر چڑھائے
پھر ہو کے سرمے والے سرمے بہت لگائے   بندر نلاک نچائے اور ریچھ تک لڑائے

اک دم کو آ گئے ہیں مُنھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پچیسی۔ چوسر۔ گنجفہ اور شطرنج کا بھی شوق رکھتا تھا کہتا ہے ؎

جب شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن رات خوب اس جا
جو بات چاہے کرے کسی کو نہ آوے بُرا اس کو بات اس جا

ہزاروں منصوبے دل میں باندھے بتاوے چالوں کی گھات اس جا
نہیں ہے اک چار چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات اس جا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی وہ رنگیں چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
کوئی ہے یکشکل کسی کا جُگ ہے پھرے ہیں نردیں بھی خانے خانے
چو پانسا پھینکے بنا بنا اور دل میں کتنے ہی داؤں ٹھانے
جو چاہتا ہے اٹھارہ آویں تو اُس کے پڑتے ہیں تین کانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی کو شمشیر پر جفا ہے
کوئی امیر اور وزیر کوئی کوئی فقیری میں دل خفا ہے
سبھوں کو اس جا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا گنجفا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

اسی زمانے میں شاعری کا شوق بھی پیدا ہوا اور نظیر شعر کہنے لگا اس کا پتا نہیں لگتا کہ شاعری میں کس کا شاگرد ہوا بلکہ کلام میں جو بے اعتدالیاں اور خامیاں نظر آ رہی ہیں وہ بتا رہی ہیں کہ نظیر نے کسی کی شاگردی نہیں کی۔

سید وقار علی صاحب عروج ساکن کٹرہ حاجی حسن آگرہ نے ایک نظم عنایت کی ہے جس میں نظیر کے حلیئے۔ علمی استعداد وغیرہ کا ذکر ہے یہ نظم نظیر کی کہی ہوئی بتائی جاتی ہے۔ مگر اس کے بعض اشعار خاص کر مطلع و مقطع سے شبہہ ہوتا ہے کہ غالباً کسی اور کی طبع زاد ہے۔ احتیاطاً وہ یہاں نقل کی جاتی ہے ؎

کہتے ہیں جس کو نظیر سنئے ٹک اس کا بیاں — تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
صورت روش پست قد سانولا ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور — تھا وہ بڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی تس پہ نہ رکھتا تھا ریش — مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے تھے بھی پنبہ ساں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے — فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این و آں
فرد و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے — اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہر زماں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب — پختگی اور خامی کے اس کا تھا خط درمیاں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی — ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں وہ تھا جواں

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں

علمی استعداد

نظیر کا کلام ثابت کر رہا ہے کہ اُن کی علمی استعداد بہت ہی اچھی تھی وہ فارسی بخوبی جانتا تھا۔ فارسی میں اونچی اونچی کتابوں کا درس دیتا

تھا اور نہایت اچھی فارسی لکھ بھی سکتا تھا۔ فارسی لفظ اور ترکیبیں اس کے اشعار میں اپنے برمحل اور برجستہ ہونے کا ثبوت خود دے رہی ہیں۔ اگر شعر میں کسی لفظ کو اس کے مترادف سے بدل دیتے ہیں تو لطف جاتا رہتا ہے۔ سُنا ہے کہ اس نے فارسی کے فن انشا میں کئی کتابیں لکھی ہیں جو چھپی تو نہیں مگر اُن کے قلمی نسخے لوگوں کے پاس ہیں۔ اس کا کلام یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ اُس کے سے شخص کو جتنی عربی کی ضرورت تھی اتنی وہ جانتا تھا۔

شادی۔ عادات واطوار

اُس نے جوانی میں شادی نہیں کی۔ جب ادھیڑ ہوا تو شادی کی فکر ہوئی چوں کہ رئیس زادہ تھا ایسے ویسے گھر کو خاطر میں کیا لاتا۔ محلہ تاج گنج میں پلکوں کی گلی نے قریب چغتائی خاندان رہتا تھا۔ محمد علی بیگ صوبہ دار کے بیٹے۔ عبدالرحمٰن خاں نامی آدمیوں میں تھے۔ اُن کے یہاں پیام دیا گیا اور اُن کی بیٹی تہور النسا بیگم سے اُس کا بیاہ ہو گیا۔ اب وہ نوری دروازہ اُٹھ آیا اور بیگم باندہ کے محل کے پاس تھوڑی سی زمین مول لے کے اُس نے رہنے کا مکان بنا لیا جس میں مرتے دم تک رہا۔ اس کے کلام میں جو تصوف کے مضامین ہیں وہ مولوی احمد شاہ قادری اور شاہ غلام رسول کی صحبت کی برکت سے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اُس زمانے کے مشائخ عظام میں شمار ہوتے

تھے۔ اور اُن کے سرچشمۂ فیض سے تشنگانِ عرفاں سیراب ہوا کرتے تھے۔ اُن سے مستفید ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ کہتا ہے ؎

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
ہر رنگ میں بارنگ میں نیرنگ میں پہچان منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم و ارادہ میں ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں ہاں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اس کے حلم و خلق و تواضع و انکسار کا معترف سارا زمانہ تھا۔ یہاں تک کہ نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کو بھی تذکرۂ گلشنِ بے خار میں اقرار کرنا پڑا کہ "نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیرِ روزگار است" حالانکہ اس کی شاعری کی وہ مذمت کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ "اشعار بسیار دارد کہ بر زبان سوقیین جاری ست و نظر بآں ابیات در اعداد شعرا نشاید ش شمرد۔"
وہ نہایت بااخلاص نیک نیت اور شگفتہ دل آدمی تھا۔ اس کی صحبت میں ہر طرح کے لوگ ہوتے۔ بوڑھے بچے جوان بھیڑ لگائے رہتے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ؎

بہارِ عالمِ نیرنگ رکھتا تھا مزاج اُس کا جوانوں میں جوان بوڑھوں میں بوڑھا لڑکوں میں لڑکا

اُس کے حسنِ اخلاق کا شہرہ تھا۔ اور اس کی نیک نیتی زبان زد تھی۔ اُس کی بابت شاہ قدرت اللہ اپنے تذکرۂ شعرا میں لکھتے ہیں کہ شاعر ہست دیرینہ مشق کہ بالفعل در آں نواح علم استادی می افرازد و ترد

صحبت و اخلاص با ہر کس می بازد۔ بسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط و نہایت نیک نیت و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود۔" وہ نہایت فیاض اور سخی تھا۔ دروازے پر سے سائل کو خالی نہ پھیرتا۔ پاس کچھ نہ ہوتا تو بڑی نرمی سے معذرت کرتا۔ ہمسائے میں جو مستحق ہوتے ہمیشہ ان کی مدد کرتا۔ کسی سے ناراض ہوتا تو ناخوشی کا اظہار اس طرح کرتا کہ بُرا نہ معلوم ہوتا۔

نظیر کی شاعری کا زمانہ

نظیر نے شاعری شیخ ظہور الدین حاتم اور سراج الدین علی خاں آرزو کے زمانے میں شروع کی اور اُس کا انتقال ۱۲۴۶ھ میں مصحفی سے آٹھ برس بعد اور ناسخ سے چھ برس پہلے ہوا۔ اُس کے معاصرین میں اشرف علی خاں فغاں۔ میر عبد الحئی تاباں۔ مرزا جان جاناں مظہر۔ میر غلام حسین ضاحک۔ خواجہ میر درد۔ مرزا رفیع سودا۔ سید محمد میر سوز۔ میر محمد تقی میر۔ شیخ قلندر بخش جرأت۔ ظہور اللہ خاں نوا۔ مرزا محمد تقی خاں ترقی۔ میر غلام حسن حسن۔ سید انشاء اللہ خاں انشا۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی وغیرہ تھے۔ اس کی شاعری کی ابتدا ایسے وقت میں ہوئی جب شاعر کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے خیال صاف صاف زبان اور سیدھے سادے محاوروں میں ظاہر کردے اور جو کچھ دل میں آئے اُس کی ہو بہو تصویر شعر میں کھینچ دے۔ تکلف اور تصنع سے کلام کو بچائے اور اصلیت اور بے ساختہ پن کو قائم رکھے۔ اسی لئے اُس زمانے میں

شعرا کے کلام میں اثر بہت ہے۔ وہ لوگ غزل زیادہ کہتے تھے۔ دیگر اصناف سخن کی طرف توجہ کم کرتے تھے۔ تغزل کی شان جیسی اُن کے یہاں نظر آتی ہے ویسی بعد کے شعرا کے یہاں نہیں۔ بعد کو سادگی اور بے ساختگی کی جگہ پیچیدگی اور تصنّع نے لی۔ استعاروں اور تشبیہوں نے دخل پایا اور مصحفی اور ناسخ نے ایسی گتھیاں ڈالیں کہ شعر گورکھ دھندا ہو کر رہ گیا۔ لکھنؤ نے اگر شعرا کی قدر کی تو اُردو نظم پر یہ ظلم بھی کیا کہ معانی آفرینی کی کوشش میں رعایت لفظی اور ایہام کے ذریعے سے جو نہ کہنا چاہئے تھا وہ بھی کہوا دیا۔ اُردو کے شعرا میں میر انیس نے شاعری کے معجزے دکھائے ہیں مگر اُن کا حال یہ ہے کہ رعایت لفظی کو چھوڑ کر سیدھی بات نہیں کہتے۔ وہ ان رعایتوں پر پردہ تو ڈالتے ہیں مگر پردہ ایسا باریک ہوتا ہے کہ دیکھنے سمجھنے والے آنکھوں ہی آنکھوں اور دل ہی دل میں سب کچھ دیکھ سمجھ لیتے ہیں۔

نظیر کی شاعری کے ابتدائی زمانے میں شاعر کے لئے کچھ زیادہ قیدیں اور پابندیاں نہ تھیں۔ ہندی اور فارسی وعربی الفاظ کو مرکب کرنا عیب نہیں تھا۔ لڑکے و لڑکیاں۔ برائے مہاجن۔ زیر جھروکا۔ رانیانِ ہندوستان۔ کچہری ایّام۔ غل و شور اور اس قسم کے ہزاروں مرکبات عام طور پر استعمال کئے جاتے۔ یہاں تک کہ شاہی فرامین میں بھی ان سے احتراز نہ ہوتا اور یہ بُرا نا رواج تھا۔ ابوالفضل نے بھی ماہ چیت۔ تلادانِ شاہی۔ کوکاے نواب وغیرہ لکھا ہے۔ نظیر

کے معاصرین کے کلام میں بھی ویسی ہی الفاظ اور ترکیبیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ جیسی نظیر نے استعمال کی ہیں۔ اُن سب کا اکٹھا کر دینا کوئی آسان کام نہیں۔ چند یہ ہیں :۔

دوانہ (= دیوانہ) میاں اور سجن (= معشوق کے لئے) ہن (= دل) دھیرے (= آہستہ) اور بضم الف واو مجہول (= طرف) سیں۔ ستی (= سے) بھچک۔ بھچک (= حیران) تکو (= کو) تئیں (= کو۔ تک) توں (= تو) لوہو (= لہو) ایدھر اودھر جیدھر (= ادھر اُدھر جدھر) جدھر تدھر (= جس طرف اُس طرف) نیں (= نے) جیوں (= جوں) یوں دوں (= اس طرح اُس طرح) نپٹ (= بہت) دسخط (= دستخط) نت (= ہمیشہ) ٹک (= ذرا) اکوں (= ایک کی۔ کسی کی) نددر (= بہت) لاگنا (= لگنا) انھوں کا (= اُن کا) کنھوں نے (= کسی نے۔ کس نے بحالت جمع) نداں (= ہمیشہ) تد (= تب) انگر (بلیسی) وَسے (= وہ لوگ) پتھرا۔ پتھرے (= پتھر۔ واحد و جمع) بستار (= طریقہ۔ طور۔ انداز۔ سامان۔ زیادتی یا کثرت) ماٹی (= مٹی) ہلنا بفتح ہا (= ہلنا۔ بکسر ہا) گہنا (= پکڑنا) مکھ (= چہرہ۔ رُخ) تمیں (= تو۔ توتے) نہ جانے (= معلوم نہیں) اپنے کھاتوں (= اپنے نزدیک) باجنا (= بجنا) ناتوں (= نام) گھسنا بفتح گاف (= گھسنا۔ بکسر گاف) باس (= بو) برہ (= ہجر) ۔ نین انکھیاں (= آنکھیں) اُن نے (= اُس نے) جن نے (= جس نے) کوں (= کو) اُپر (= اوپر) جیو (= جی) کبھو۔ کسو (= کبھی کسی) مجھ ساتھ (= مجھسے)

کب لگ (= کب تک)، بچن (= بات)، ڈُبانا (= ڈبونا)، تڑپھنا (= تڑپنا) ہیگا (= ہے)، شُتر بفتح تا (= شُتر بضم تا)، الینڈنا (= اُنڈیلنا) بھج بل (= زور قوت) لڑنت (= لڑائی) اکڑنت (= اکڑ) پھڑکنت (= پھڑک) کھُدنت (= کھدائی) کڑکنت (= کڑک) چھُٹ (= سوا) جھمکا (= جلوہ) جاگہہ (= جگہہ) جگت (= زمانہ) تب جانیے (= تب جانیں) پرے (= دور) نکسنا (= نکلنا) اُپاہ (آرزو۔ خواہش) اُپاڑنا (= اُکھاڑنا) بھلّہ رے (= واہ رے) دُرہو (= دور ہو) بیچ (= میں) بل جانا (= جل جانا) بل گیا (= صدقے گیا) ہارا۔ جیسے جانے ہارا (= والا جیسے جلنے والا) تیرے پر (تجھ پر) ہر کوئی (= ہر شخص) تجھ جیسے تجھ چشم (= تیری چشم) تجھ جیسے مجھ دل (= میرا دل) بن (= بغیر) کیونکہ (= کیونکر) ہُشت (کلمہ جو کسی چیز کو دور کرنے یا اظہار نفرت کے لئے ہے) مُنھ مونْدنا (مُنھ بند کرنا) اُسے اثر نہ کیا (= اُس پر اثر نہ کیا) بعد از مرنے کے (= بعد مرنے کے) آتے ہے (= آتا ہے) آتے ہیں (= آتے ہیں) آوے ہو (= آتے ہو) پکاروں ہوں (= پکارتا ہوں) آئتا ہے۔ جائتا ہے (= آتا ہے۔ جاتا ہے)۔

کر سے پہلے اگر فعل کا اخیر حرف الف یا واو مجہول ہوتا تو ی بھی کبھی بڑھا دیتے جیسے آئکر۔ جائکر۔ رو ئکر۔ سوئکر۔

کر کو کبھی حذف کر دیتے جیسے ع آتا ہے ہر سحر اُٹھ تیری برابری کو۔

میں کو کبھی حذف کر دیتے۔ جیسے تیرے طفیل۔ اپنے تو اعتقاد یعنی

تیرے طفیل میں۔ اپنے تو اعتقاد میں۔
نے کو کبھی حذف کر دیتے جیسے میں کھینچا یعنی میں نے کھینچا۔ میں کہا تھا۔ یعنی میں نے کہا تھا۔ نہ کو نے نظم کرتے۔
پر کو کبھی حذف کر دیتے۔ جیسے دار کھینچا یعنی دار پر کھینچا۔
کے کو کبھی حذف کر دیتے جیسے اُس پاس یعنی اُس کے پاس۔ دل ساتھ یعنی دل کے ساتھ۔ دوش اُپر یعنی دوش کے اوپر۔
فارسی جمعیں بغیر ترکیب استعمال کرتے۔ جیسے بتاں چاہتے ہیں یعنی بت چاہتے ہیں۔ بلبلاں صدا دیں یعنی بلبلیں صدا دیں۔ کبھی فعل مؤنث کی جمع یاں لگا کر بناتے جیسے نکالیاں یعنی نکالیں۔ ڈالیاں یعنی ڈالیں وغیرہ۔
کبھی فعل ماضی قریب و ماضی بعید کے دونوں ٹکڑوں میں علامت جمع لگاتے جیسے آتیاں ہیں۔ جاتیاں تھیں۔
کبھی ہندی صفتوں کی بھی جمع بنا لیتے۔ جیسے کالی سے کالیاں۔ بھلی سے بھلیاں۔ کڑی سے کڑیاں۔
کبھی لفظ مؤنث کو جمع میں بغیر علامت جمع استعمال کرتے۔ جیسے دو چیزیں کی جگہ دو چیز (سودا) دو چیز نہ عاشق سے ہوائے یار فراموش۔
قافیوں میں رائے مہملہ اور ڑائے ہندی میں فرق نہ کرتے تھے۔ اور گورا کا قافیہ تھوڑا نظم کرتے تھے۔
کہ کا قافیہ ہے سودا نے کہا ہے ؎ (سودا)

عاشق بھی نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم   دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

کو جو بواؤ معروف فارسی کا استفہامیہ لفظ ہے اور کو جو بواؤ مجہول اُردو کا حرف ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کا قافیہ سمجھتے تھے۔

آبرو (بواؤ معروف)، کا قافیہ کو (بواؤ مجہول) نظم کرتے تھے۔

ٹھاٹھ کے قافئے گھاٹ اور باٹ باندھتے تھے۔

ہاتھ اور ساتھ کے قافئے بات اور رات شعر میں لاتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے کے بجائے ہاتھ اپنے سے کبھی نظم کردیتے۔

جان ۔ دید اور سیر کو مذکر استعمال کرتے۔

اے حرف ندا کی ے کو گرا دیتے تھے۔ اور اے دل کو کبھی اِدِل نظم کرتے۔

کسی کو نہ رنجیدہ کر کی جگہ مت رنج کر کسی کو شعر میں کہہ جاتے۔ معشوق کو شراب کے ساتھ چرس بھی پلادیتے ؎ (خانِ آرزو)

سرے شورِ خراباتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو بہارِ حسن کو دی آب اس نے جب چرس کھینچا[1]

کوئی کو کُئی ۔ پھیر گئے کو پھیر گئے بھی کبھی کہہ جاتے۔ ذکر کرنا کی جگہ بات چلانا عام طور پر استعمال کرتے۔

اس قسم کے اشعار (جو ناسخ کے اجتہاد سے بعد کو مبتذل قرار پائے) کثرت سے معاصرین نظیر نے کہے ہیں ؎

(سوز) تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ کر بند وفا لایا ہے مُت تیری وفا کی

---

[1] اس مصرع میں ایہام تناسب ہے۔ چرس ایک منشی چیز بھی ہے۔ اور چمڑے کا وہ ظرف بھی ہے جس سے پانی کھینچتے ہیں۔

(سوز) جنازہ دیکھتے ہی سُن ہوا دِل — کہ ہے ظالم دغا کی رے دغا کی
(ر) سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا — کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا
(ر) بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا — اپنے ہی من میں پھولےگی گلزار دیکھنا
(ر) یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی — آزماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی
(ر) کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ — الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے مُنھ میں آگے کھوں کیا — استغفر اللہ استغفر اللہ

مسلسل اشعار کے کہنے کا رواج بہت کم تھا۔ غزل زیادہ کہی جاتی تھی۔ بعض شعرا نے مسلسل اشعار جو کہے بھی تو اُن میں غزل ہی کے مضامین رکھے غزلوں میں قطعہ بھی کبھی کہا جاتا۔ مگر یہ قطعہ زیادہ تر دو شعروں کا ہوتا جو شعرا محتاط تھے وہ غزل میں قطعہ حتی المقدور نہ کہتے کیونکہ قطعہ کے اشعار معنوی حیثیت سے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور شرع الشعرا میں یہ مکروہ ہے کہ غزل کا کوئی شعر دوسرے شعر کا محتاج ہو۔ احتیاط کرنے والے یہاں تک احتیاط کرتے کہ شعر کے پہلے مصرع میں کوئی لفظ ایسا نہ رکھتے جو دوسرے مصرع کے کسی لفظ کا محتاج ہوتا۔ اسی لئے جب ذوق مرحوم کا یہ شعر پڑھا گیا ؎

مُنھ اُٹھائے ہوئے جاتا ہے کہاں تو کہ تجھے — ہے ترا نقش قدم چشم نمائی کرتا

تو نواب کلب حسین خاں نادر نے فرمایا کہ تجھے دوسرے مصرع کا حق ہے پہلے مصرع میں نہیں لانا چاہیے۔

یہاں نظیر کے معاصرین کی چند نظمیں مسلسل اشعار کی لکھی جاتی ہیں۔

تاکہ اُن کا انداز بیان معلوم ہو جائے اور اس کا پتا لگ جائے کہ ان میں کس طرح کے مضامین ہیں :-

(۱)

از اشرف علی خاں فغاںؔ ؎

دیکھا کہ یہ تو چھوڑتا ممکن نہیں مجھے | چلنے لگا وہ شوخ مراتب یہ چالیاں
ہر بات بیچ روٹھنا ہر دم میں ناخوشی | ہر آن دو دکھنا مجھے ہر وقت گالیاں
ایذا ہر ایک طرح سے دینا غرض مجھے | کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں

(۲)

از مرزا محمد رفیع سوداؔ ؎

تجھ بن عجب معاش ہے سوداؔ کی ان دنوں | تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن | نے سیر باغ و نے گُل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب | تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جائے اُس گلی میں جہاں تھا ترا گزر | لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو بہر شغل | پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس | پر جو خدا دکھلائے سو ناچار دیکھنا

(۳)

از خواجہ میر دردؔ ؎

یہی پیغام درد کا کہنا | گر صبا کوئے یار میں گزرے
کون سی رات آن ملئے گا | دن بہت انتظار میں گزرے

(۴)

از میر محمد تقی میرؔ در تعریف اسپ نواب آصف الدولہ۔

وزیرِ زماں نے لیا ایک اسپ — کہ ہے رشکِ گلگون بادِ بہار
نظر پوست سے اس کی آتا ہے خوں — کیا جلد پر اُس کی گل کو سوار
اُڑا اگر اُسے بارہا سپہر کی — نہ نکلا کبھی ابلقِ روزگار
کروں اُس کی کیا تیز گامی کی شرح — ہرن اُس پہ شمشیر سے ہو شکار
ٹک اک کسمساوے جو راکب تو پھر — نہیں اُس کو رانوں میں ہرگز قرار
کرے عزم ابد کا ازل سے اگر — وہ جانباز جو اس پہ ہووے سوار
کہے اس کو گر چھیڑ لے کر کہ ہاں — تو یہ بادپیما کرے یوں گزار
کہ لیکے قدم گرد جو اٹھ چلے — نہ پھر نے تک اس کے وہ دیکھے غبار

غرض اسپ ہے یا چھلاوا ہے میرؔ
رہیں زیر ران اُس کے ایسے ہزار

(۵)

از قلندر بخش جرأتؔ ؎

کل واقفِ کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات — جرأتؔ کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم
کیا جانئے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر — جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

(۶)

از میر انشاء اللہ خاں انشاؔ ۔ (مصحفی پر اعتراضات) ؎

سن لیجئے گوشِ دل سے مری مشفقا غرض — مانند بید غصّہ سے مت تھرتھرائیے

بلّور گو درست ہو لیکن ضرور گیا / خواہی نخواہی اُس کو غزل میں کھپائیے
و سنّور و نور و طور یہ ہیں قافئے بہت / اس میں جو چاہئے تو قصیدہ سُنائیے
یہ تو غضب ہے کہئے غزل آٹھ بیت کی / اور اُس میں حرف ایسے انوکھے سُنائیے
کیا لطف ہے کہ گردنِ کافور باندھ کر / مردے کی باس زندوں کو لا کر سُنگھائیے
یوں خاطرِ شریف میں گزرا کہ بزم میں / کچلا ہوا شریفہ غزل کو بنائیے
ایسے نجس کثیف قوافی سے نظم میں / دندانِ ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے
بخرے میں آپ ہی کے یہ آئی ہے شاعری / بس مُنھ ہی مُنھ میں رکھئے اسے مت سنائیے
گردن کا ذکر کیا ہے سقنقور میں بھلا / سانڈے کی طرح آپ نہ گردن ہلائیے
اردو کی بولی ہے یہ بھلا کھائیے قسم / اس بات پر اب آپ ہی مصحف اُٹھائیے
اُستاد گرچہ ٹھہرے میں صاحب تو نہیں سہی / لیکن ڈھکی ہی رکھئے بس اسکو چھپائیے

(۱۷)

از شیخ غلام ہمدانی مصحفی (انشا کے اعتراضوں کا جواب)

اے آنکہ معارض ہو مری تیغ زباں سے / تو نے سپرِ عذر میں سنّور کی گردن
ہے آدمِ خاکی کا بنا خاک کا پُتلا / گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن
میں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا / ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن
کافور سے مطلب ہے مرا اُس کی سپیدی / ٹھنڈی تو میں باندھی نہیں کافور کی گردن
یہ لفظ مشدّد بھی درست آیا ہے تجھ سے / خم ہوتی ہے کوئی مرے بلّور کی گردن
جو گردنیں میں باندھی ہیں لا تجھکو دکھا دوں / تو مجھ کو دکھا دے شبِ دیجور کی گردن
گردن کے تئیں چاہئے اک شکل کشیدہ / خم کر کے سمجھ ٹک سرِ مغرور کی گردن

کھٹراگ یہ گایا یہ ترے ہاتھ نہ آئی
افسوس کہ اس تان پہ تنبور کی گردن

سوجھا نہ تجھے ورنہ بناتا تو اسی دم
ناسور کی پٹی کو بھی ناسور کی گردن

انصاف کیا اس کا میں اب شہ کے حوالے
جھکتی ہے جہاں مار سے بے مور کی گردن

وہ شاہ سلیماں کہ اگر تیغ عدالت
ٹک کھینچے تو دو ہو وہیں فغفور کی گردن

جس سر پہ ٹک اپنا وہ رکھے دستِ نوازش
اُس سر کے لئے تکیہ ہو پھر حور کی گردن

اُس در کا جو سجدہ اُنھیں منظور نہ ہوتا
ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خامش بسخن طول نہ کھنچ جائے
یاں کوتہ ہے بہتر سرِ پرشور کی گردن

(۸)

از سعادت یار خاں رنگین ؎

حوروں کے عوض مجھے الٰہی
دنیا میں تو ایک نازنیں دے

کب مجھ کو بہشت کی ہے خواہش
دینا ہے جو کچھ سو لا یہیں دے

(۹)

از شاہ قدرت اللہ قدرت ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم کیا ہی سرزمینِ طوس ہے

گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آوازِ طبل اور ادھر صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام ہوتا ہے مئے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز کا محبوس ہے

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں[1] دو تین دکھلا کر مجھے کہنے لگی　　یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو اُن سے کہ جاہ و مکنتِ دنیا سے آج
کچھ بھی اُن کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

نظیر کی شاعری کے بارے میں قابل حضرات نے بہت کچھ لکھا ہے مگر لکھنے والوں نے یا تو تحسین و توصیف کے پل باندھے ہیں یا تنقیص و تحقیر کے دریا بہائے ہیں۔ کسی نے نظیر پر ظلم کیا ہے کسی نے اردو شاعری پر ستم ڈھایا ہے۔ ضرورت یہ تھی کہ نظیر کے ساتھ انصاف اور اردو شاعری پر رحم کیا جاتا۔ اور جو سچی بات ہے وہ صاف صاف بتا دی جاتی۔ اب حقیقت بے کم و کاست ظاہر کی جاتی ہے:۔

نظیر کی شاعری

(نظیر کبھی مصوّرِ فطرت ہے کبھی مبلّغ حقیقت۔ کبھی معلّم اخلاق ہے کبھی مصلح عادات کبھی رند لاؤ بالی ہے۔ کبھی صاحب کرامات۔ کبھی واعظ منبر پرست ہے۔ کبھی عاشق دلبر پرست کبھی فقیر بے نوا ہے کبھی گدائے تونگر۔ کبھی ملائے مکتب ہے۔ کبھی عالم متبحر۔ کبھی زاہد خشک ہے۔ کبھی میکش تر دامن کبھی مسلمان ہے۔ کبھی برہمن۔ کبھی حاجی حرمین ہے۔ کبھی شایق کعبتین۔ کبھی دنیا دار ہے۔ کبھی دیندار۔ کبھی دین و دنیا دونوں سے بیزار۔ کبھی ساحری کرتا ہے کبھی معجز نگاری۔ زمین شعر کو وہ کبھی گلزار سے بہتر بنا دیتا ہے کبھی خارزار سے بدتر کر دیتا ہے۔

---

[1] مرقد اب مذکر ہے۔

وہ کبھی زہر کھلاتا ہے کبھی آبِ حیات پلاتا ہے۔ کبھی سبز باغ دکھا کر جنت کی سیر کراتا ہے۔ کبھی روغن قاز مل کر دوزخ کی آنچ سے ڈراتا ہے۔ ہستی کا وسیع میدان اُس کی جولانگاہ ہے۔ وہ جدھر چاہتا ہے نکل جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی بھٹک کر ایسی جگہ بھی جا نکلتا ہے جہاں اُسے جانا نہ چاہیئے۔ وہ پیروں میں پیر جوانوں میں جوان ہے۔ داناؤں میں دانا۔ نادانوں میں نادان ہے۔ دنیا میں جو تماشا ہو رہا ہے اُسے وہ غور سے دیکھتا ہے اور اس لئے دیکھتا ہے کہ دوسروں کو دکھائے۔ سازِ ہستی سے جو آوازیں نکل رہی ہیں اُنھیں وہ کان لگا کر سُنتا ہے۔ اور اس لئے سُنتا ہے کہ دوسروں کو سُنائے۔ اُس کی دوربین نظر ایسی تہ تک پہنچ جاتی ہے جہاں دوسرے کی باریک بینی بیکار ہے۔ اُس کا طائرِ خیال ایسی بلند پروازی کرتا ہے جس سے دوسرے کا مرغِ فکر مجبور اور ناچار ہے۔ بزرگانِ مذاہب اُس کے نزدیک سب قابلِ احترام ہیں۔ وہ کسی کی تحسین کرتا ہے کسی کی توصیف امیروں سے وہ اس لئے توسل رکھتا ہے کہ قوت لایموت کا سامان ہوتا رہے۔ فقیروں سے وہ اس لئے توسل رکھتا ہے کہ مستحقِ رحم ہیں۔ وہ دنیا کی مذمت اس لئے نہیں کرتا کہ قابلِ قدر نہیں بلکہ اس لئے بیزار ہے کہ دنیا اُس کو چار دن کے بعد چھوڑ دے گی۔ وہ زمانہ کے نیرنگ کو خواص کی آنکھوں سے بھی دیکھتا ہے اور عوام کی نظروں سے بھی۔ اسی لئے کبھی وہ اُن کا ہمنوا ہے کبھی اُن کا ہم آہنگ۔

شعر کی تعریف میں منطقیوں نے بات تو بہت بڑھائی ہے مگر غور کرتے ہیں تو حقیقت صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ شعر اظہار خیال کے لئے موزوں کیا ہوا کلام ہے۔ اور وہ بڑا باکمال ہے۔ جو دل میں پیدا ہونے والے خیال کو من وعن شعر میں ظاہر کر دے۔ نظیر کو اس میں ید طولےٰ حاصل ہے۔ اُس کے دل میں جو کچھ آتا ہے اُسے وہ اس طرح نظم کر دیتا ہے کہ دوسرے مُنھ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کوئی واہ واہ کہنے لگتا ہے کوئی آہ آہ کرنے لگتا ہے۔ اور کوئی مسکرا کر گردن جُھکا لیتا ہے۔ کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایسا مجتہد ہے جس کو تقلید لازم تھی۔ مگر اُس نے تقلید کا قلادہ توڑ کر پھینک دیا ہے۔ جس سے اُس کی چند نظمیں واہیات اور بعض اشعار خرافات ہو گئے ہیں۔ اُس نے شاعری شروع کی تو یہ دیکھا کہ شعرا کی بلند پروازیاں ہندوستان کے رسم ورواج معاشرت، کاروبار اور زندگی سے دور کا بھی علاقہ نہیں رکھتیں۔ باوجود اس کے کہ شعرا کو ایران و توران و عرب جانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اور وہاں کے مناظر کبھی خواب میں بھی انھوں نے نہیں دیکھے۔ پھر بھی کوہ البرز و تاتار و یمن و بدخشاں کے گیت گا رہے ہیں۔ بلبل۔ قمری۔ کبک۔ فاختہ کے سوا اور کسی طائر پر اُن کی نظر ہی نہیں پڑتی۔ ہندوستان میں رہتے تو ہیں مگر یہاں کے موسموں نے کوئی اثر اُن کے شاعرانہ تخیل پر نہیں ڈالا بہار کا وہ رنگ دکھاتے ہیں جو ان کے فرشتوں نے بھی نہ دیکھا ہوگا اس لئے اُس نے ملکی خصوصیات کی طرف توجہ کی۔ ملکی مناظر۔ ملکی طیور۔

ملکی موسم اور ملک والوں کی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات اور رسم ورواج واقعیت کے ساتھ نظم کئے۔ اور حادثات زمانہ۔ واردات قلبی اور کیفیات نفسی کو اُن کی اصلی حالت میں نمایاں کیا۔ اُس نے اور شعرا کی طرح زمین آسمان کے قلابے نہیں ملائے۔ بلکہ پیش پا افتادہ مضامین اس خوبی سے باندھے گویا آسمان سے تارے اُتارے ہیں۔ معاملہ بندی۔ مضمون آفرینی۔ اور مثالیہ شاعری میں وہ صفائی شستگی اور دل آویزی دکھائی جس سے زمین شعر مطلع انوار ہوگئی۔ ظرافت سے روتے کو ہنسا دیا۔ سوز و گداز سے ہنستے کو رُلا دیا۔ وہ تصنع اور تکلف کا دشمن ہے۔ بے ساختگی اور برجستگی اُس کی شاعری کی جان ہے۔ رعایت لفظی کو چاہے اور کوئی اپنے طور پر عروس نظم کا زیور ہی سمجھے مگر نظیر کے نزدیک وہ عار اور ننگ ہے۔ وہ صنائع و بدائع کا شائق نہیں۔ کبھی ارادہ کرکے صناعیاں نہیں دکھاتا۔ اگر شعر میں بے ساختہ کوئی صنعت پیدا ہو جائے تو ہو جائے سادگی اُس کے کلام کا زیور رہے۔ اور بے تکلفی اس کے اشعار کا جوہر۔

بعض لوگوں کا یہ خیال کچھ ٹھیک نہیں کہ نظیر نے جان بوجھ کر علم بدیع و بیان سے کام لیا ہے۔ کیونکہ نتیجہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ بدیع و بیان کلام پر مقدم ہیں حالانکہ ایسا نہیں جاہل سے جاہل کے کلام میں بھی صنعتیں پائی جاتی ہیں۔ مُنھ سے بات نکلی نہیں کہ اُس میں صنعتیں آپ سے آپ آموجود ہوئیں۔ نقل ہے کہ کسی معلم نے اپنے ایک شاگرد کو

علم بیان بڑی محنت سے پڑھایا۔ جب شاگرد منتہی ہو گیا تو معلم نے اُس سے کہا کہ بازار اور گلیوں میں گھوم پھر کر لوگوں کی بات سننے اور دیکھے کہ ان باتوں کا تعلق علم بیان سے کہاں تک ہے۔ شاگرد لوگوں کی باتیں گلیوں گلیوں سنتا پھرا مگر اُس کو اُن کا کوئی تعلق علم بیان سے معلوم نہوا۔ اُس نے واپس آکر استاد سے کہا کہ لوگوں کی باتوں کا تو کوئی تعلق علم بیان سے معلوم نہیں ہوتا۔ استاد نے اسے یہ علم پھر باب بسم اللہ سے آتا ہے تمت تک پڑھایا اور پڑھا چکنے کے بعد پھر اُسے لوگوں کی باتیں سننے کو گلیوں میں بھیجا۔ اس دفعہ تھوڑا سا تعلق اس کی سمجھ میں آیا اور اس نے استاد سے جا کر کہا کہ ہاں تھوڑا سا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اس پر استاد نے کہا کہ ابھی تم علم بیان کو سمجھے نہیں پھر پڑھو۔ اُس نے تیسری دفعہ پھر شروع سے اخیر تک پڑھا۔ پڑھ لینے کے بعد اسے کیا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی کوئی بات ایسی نہیں جو علم بیان کے تحت میں نہ ہو یہی حال نظیر کے کلام کا ہے۔ اس کے جتنے اشعار ہیں سب علم بیان کے تحت میں آتے ہیں۔ مگر اس کو کوئی نہیں ثابت کر سکتا کہ اس نے کلام میں صنعتیں ہمیشہ جان بوجھ کر پیدا کی ہیں۔ مطبوعہ دیوان میں ایک غزل صنعت واسع الشفتین میں دکھائی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ نظیر نے کبھی کسی کی فرمائش پر اس کا التزام کیا ہو۔

یہ بھی نظیر کی شاعری سے تفصیلی بحث نہیں کی جاتی خصوصیات دکھانے کے لئے اُس کی مختلف نظموں سے کچھ ٹکڑے یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو جائیگا کہ مجموعی حیثیت سے اُس کی شاعری

کیا ہے ؎

(۱)

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کھنچی کنگھی گندھی چوٹی جمی پٹی لگا کاجل
کماں ابرو نظر جادو نگہ اُس کی دلاری ہے
جبیں مہتاب آنکھیں شوخ شیریں لب گہر دنداں
بدن موتی دہن غنچہ ادا ہنسنے کی پیاری ہے
نیا کمخواب کا لہنگا جھمکتے تاش کی انگیا
کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے
ملائم پیٹ مخمل سا کلی سی ناف کی صورت
اٹھا سینہ صفا پیڑو عجب جوبن کی ناری ہے
بھری رانیں کمر پتلی لچکنی اور بل کھاتی
کہوں کیا آگے اب اس کے مقامِ پردہ داری ہے
بھرے جوبن پہ اتراتی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے
کبھی اُٹھے کبھی بیٹھے کبھی لیٹے کبھی ہا سے نیے
صفینہ سا تواں یہ ہے کہ اُس کا پانوں بھاری ہے
لٹکتی چال مدھ ماتی چلے بچھوؤں کو جھنکاتی

ادا میں دل لئے جاتی عجب سمدھن ہماری ہے

(۲)

سرشکِ چشم سے موتی بہت پروئے گئے
دلے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے

غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر
پھر اُس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے

ہماری اُن کی رہی عمر بھر یہی صحبت
اُدھر وہ ہنستے گئے ہم اِدھر سے روئے گئے

سمائے ایسے ہیں آکر کہ پھر مرے دل سے
نہ جاگتے ہیں گئے اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیر کیا ہی غرا تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپ کھوئے گئے

(۳)

بحرِ ہستی میں صحبتِ احباب
یوں ہے جیسے بروئے آب حباب

بادۂ ناب کیا ہے خونِ جگر
زردی رنگ ہے شبِ مہتاب

جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
وہ بھی ہے ایک ہوئے خانہ خراب

گردشِ آسماں میں ہم کیا ہیں
پرکا ہے میانہ گرداب

عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
مثل تحریرِ موج نقش بر آب

فرصتِ عمر قطرۂ شبنم
وصل محبوب گوہرِ نایاب

حسن اور عشق جس کو کہتے ہیں
خطفۂ برق و قطرۂ سیماب

جسم کیا روح کی ہے جولانگاہ
روح کیا اک سوار پا بر کاب

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

(۴)

قمری بولے حق سرہ بلبل بولے بسم اللہ
کبک ٹٹیری چار دن قل اور تیتر بھی سبحان اللہ
دادر مور پپیہے کوئل کوک رہی اللہ اللہ
فاختہ کو کو تیہو ہو ہو طوطے بولیں حق اللہ
سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چل چل چوں چوں چوں چوں چل کیا سبحان سبحوں کرتی ہیں

(۵)

برسات

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاہٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتی ہیں کتنی بن ٹھن
سوہے گلابی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کا گھر ہے سونا کاٹے ہے ان کو آنگن
کونے میں پڑ رہی ہے سر منہ لپیٹ بیوگن

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کو کو
پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری
جو غم میں ہیں انکھوں پر گزرے ہے رات بھاری
سیلنوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری
چھاتی پھٹے ہے ان کی جو ہیں برہ کی ماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بے قراری
ہر بوند مارتی ہے سینہ اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری
ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی ان کو آواز ہے سناتی
سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے امڈی آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بیکل ہیں کہتی جاتی

مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی
میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
سنے گھر میں جھولا ڈالا لے اوڑھنی منگائی
چھوٹا پڑا ہے چوٹھا ٹوٹی پڑی کڑھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی
رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ نہ بھلائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا
یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے
سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے

اور جس پہ سُرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے
اُس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی پھبنی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
گلنار یا گلابی یا زرد سُرخ دھانی
کچھ حُسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی
جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے
یا ساتھنوں میں اپنی پانوؤں سے پانوں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے
بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں
ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
کتنے تو کیچڑوں کی دَل دَل میں پھنس رہے ہیں

کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر مر کتنے اُکس رہے ہیں
وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(۶) چاندنی رات

صحن چمن میں واہ وا زور بچھی تھی چاندنی
چاند ہلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری
چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک زری زری
بوس و کنار و جام مے عیش و طرب ہنسی خوشی
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی کی جی ہی میں رہ گئی
کیا ہی فزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
چھوٹے تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چنی تھیں صف بصف مے کی کئی گلابیاں
ہم کو نشے کی مستیاں یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں آنکھوں میں بیحجابیاں

اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی کی جی ہی میں رہ گئی

چاندنی واہ چاندنی کر رہی تھی کیا جھلک جھلک
بلبلیں تھیں چہک رہی باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مَے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب بوسوں کی سو لپک جھپک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
ایسے مزے میں عیش میں آ کہیں سے یک نو دھک
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی کی جی ہی میں رہ گئی

(۷) اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند — پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کھڑا بند — دم رُک کے گھلا جاتا ہے گرمی سی ہر اک بند
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ایدھر تو پسینوں سے تری بھیگی ہیں کھاٹیں — گرمی سے اُدھر مل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
کپڑے جو پہنئے تو پسینے اُسے آٹیں — ننگا جو بدن رکھئیے تو پھر مکھیاں چاٹیں

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

ہوتی ہے جب اوس کبھی اک رات کو آگر کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسّو و مچھّر پانی کوئی پیوے تو ادھن سے بھی وہ بدتر
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

(۸) ہولی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منھ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویّوں کے لڑکے

ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑ اڑ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۹) جاڑا

جب ماہ اگہن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا غم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہو وے کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھپو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلے پر کلہ لگ لگ کر چلتی ہو منھ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھوں کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا

فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر کا تخیل

نظیر کے زمانے میں شاہان مغلیہ دہلی میں حکمران تھے۔ وہ اُن کی شان وشوکت حشم و خدم، دھوم دھام اور طمطراق کو دیکھتا تھا۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں کا حال اور روز کی فتح و شکست کی خبریں بھی سنتا تھا۔ لہٰذا اُس نے نتیجہ یہ نکالا کہ ؎

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا　　اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مراتب پُر زر ہوا تو پھر کیا　　نوبت نشاں نقارہ در پر ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا

یا رکھ کے فوج و لشکر کی سلطنت پناہی　　پھیری دُہائی اپنی لے ماہ تا بماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی　　پھر سر رہا نہ لشکر نے تاج پادشاہی
دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا راج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا　　چتور گڈھ ستارا کالنجر ابنایا
جب توپ نے اجل کی آمورچہ لگایا　　سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا
گڈھ کوٹ توپ گولا سنگر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا　　یہ پالکی یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا　　خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا
جھنڈیاں میگڈمبر در پر ہوا تو پھر کیا

کہنے کو تو یہ معمولی باتیں ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ انھیں اشعار سے پرانے رسم و رواج معاشرت اور تہذیب کا پتا لگایا جائے گا جس طرح آج کل رامائن اور مہابھارت سے ہندوؤں کی پرانی تہذیب کا حال معلوم ہو رہا ہے۔

نظیر اپنے کو عوام میں سے سمجھتا تھا۔ اور اس کی صحبت بھی عوام ہی سے رہتی تھی۔ اس لئے عوام کی زندگی کے ہر پہلو کو وہ خوب نمایاں کرتا ہے اس کا مضحکہ نہیں اُڑاتا بلکہ اُس کی حالت اس طرح بیان کرتا ہے گویا وہ مورخ ہے معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتا۔ عوام کی زبان سے اُسے خاص محبت ہے۔ وہ اسے خوب جانتا ہے کہ اگر خواص کی زبان میں عوام سے کچھ کہا جائیگا تو سمجھ میں نہ آئے گا۔ یا عوام کی حالت خواص کی زبان میں بتائی جائے گی تو اصلیت باقی نہ رہے گی۔ اس لئے وہ عوام سے اُنھیں کی زبان میں کہتا ہے ؎

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں اور آدمی ہی اُنکی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا

کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر غلام آدمی اور آدمی مزور
یاں تک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کے کاروبار
اور جو کہ مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

وہ دنیا و مافیہا کو فانی تو کہتا ہے مگر یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ دنیاوی زندگی کو غنیمت جانو۔ یہاں کے ایک ایک لمحے کی قدر کرو۔ اور خدا نے جو زمانہ جس کام کے لئے مقرر کیا ہے اس میں وہ کام کر لو ورنہ پچھتاؤ گے۔ اس کی اس تعلیم سے دلوں میں انقباض کے بجائے انبساط پیدا ہوتا ہے، دنیا سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ کام کرنے سے رغبت ہوتی ہے۔ کہتا ہے ؎

(۱)

کھول ٹک چشمِ تماشا یار باشے پھر کہاں
یہ شکار و صید یہ شکرے و باشے پھر کہاں
مال و دولت سونا روپا تولے ماشے پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشے پھر کہاں
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

دل لگا الفت میں لو رکھ لے پریزادوں کی چاہ
چاند سے مکھڑوں سے مل ان مہوشوں پہ کر نگاہ
پہ کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ
کھا لے پی لے رکھ لے اور دے لے لا لے واہ واہ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

(۲)

تمھارا اب ہے جتنا حُسن کا عالم غنیمت ہے
اگر ہے بیش تو بہتر وگرنہ کم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا غم غنیمت ہے
بھروسا کچھ نہیں دم کا عزیزو دم غنیمت ہے
نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہونگے
میاں اک دن وہ آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے
اُچھل لو کود لو ہے جب تلک یہ زور نلیوں میں
غنیمت ہے وہی دم اب جو گزرے رنگ رلیوں میں
ہمیں لو ساتھ اور سیریں کرو پھولوں کی کلیوں میں
پھر یگی پھر تو آخر خاک تن کی اُڑتی گلیوں میں
نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہونگے
میاں اک دن وہ آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

(۳)

جھگڑا نہ کرے مذہب و ملت کا کوئی یاں　　جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں　　عاشق تو قلندر رہیں نہ ہندو نہ مسلماں
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار — آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہئے کر لیجئے بیوپار — پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

میخوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے مُلاقی — ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب و ناقی
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی — فرصت ہے غنیمت کوئی دم کا رے ساقی
نے مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنوں و فرہاد — لیلیٰ کہاں شیریں کہاں وہ ناز وہ بیداد
جو پھول کھلے واہ وہ سب ہو گئے برباد — ہم تم بھی غنیمت ہیں سُن اے یار پریزاد
یہ حُسن نہ یہ عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

دنیا کی بے ثباتی اور زمانے کے حادثات کا ذکر شعرا نے اپنے اپنے طور پر کیا تو ہے مگر مثالیں جو دی ہیں ان کے سمجھنے سے عوام قاصر ہیں شعرا کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ تعلیم کی کمی سے عوام ویسے عالی دماغ نہیں ہوتے جیسے خواص ہوتے ہیں۔ عوام کے واسطے جو مثالیں دیجائیں وہ ایسی ہوں جن کا مشاہدہ اور تجربہ عوام کر چکے ہوں نظیر اسے سمجھتا ہے اور کہتا ہے ؎

یہ پینٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا کیا جنس اکٹھی ہے

یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹّی ہے
کچھ پکتا ہے کچھ بھُنتا ہے پکوان مٹھائی پھٹّی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ چولھا ہے نہ بھٹّی ہے
غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

ہر شخص جانتا ہے کہ بازار لگتا ہے تو طرح طرح کی چیزیں وہاں لاکر اکٹھا کی جاتی ہیں۔ اُن میں کوئی میٹھی ہوتی ہے کوئی کھٹّی۔ دُکانوں میں کہیں کوئی چیز پکائی جاتی ہے کہیں بھونی جاتی ہے۔ کسی جگہ پکوان ہوتا ہے۔ کہیں مٹھائی ہوتی ہے۔ مگر دیکھتے دیکھتے بازار اُٹھ جاتا ہے، نہ دُکانیں رہ جاتی ہیں نہ دُکان کی چیزیں۔ اس مثال سے بہتر کوئی اور مثال دنیا کی بے ثباتی کی نہیں مل سکتی۔

یہاں ایک مثلث کے دو بند لکھے جاتے ہیں جو بقول پروفیسر آزاد مرحوم ذوقؔ نے بادشاہ ظفرؔ کے حکم سے کہے تھے۔ پروفیسر آزاد لکھتے ہیں کہ ایک بڈھا چورن مرچن کی پُڑیاں بیچتا پھرتا تھا اور آواز دیتا تھا۔

ترے من چلے کا سودا ہے کھٹّا اور میٹھا

حضور نے سُنا۔ ایک دو مصرع اس پر لگا کر استاد کو بھیج دئیے اُنھوں نے دنل دُھرے لگا دئیے۔ دو بند یاد رہ گئے ہیں ؎

کنجڑے کی سی ہاٹ ہے دنیا جنس ہے ساری اکھٹّی
میٹھی چاہے میٹھی کے لے کھٹّی چاہے کھٹّی

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا
روپ رنگ پر بھول نہ دل میں دیکھ عقل کے بیری
اوپر میٹھی نیچے کھٹی انبوا کی سی کیری
لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

دوسرے بند کو پڑھ کر شعرائے بلند نظر ارشاد فرمائیں گے کہ "دیکھ عقل" میں عقل کو ذوق نے غلط نظم کیا ہے۔ ع گر گیا ہے اور ق ساکن متحرک ہو گیا ہے۔ مگر اُن کے دشمن یہ نہ سمجھیں گے کہ مصرع میں اسی طرح نظم کرنے کی ضرورت تھی۔

پھر نظیر کہتا ہے ؎

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا ہوتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی دادا پوتا کہتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے رشتہ ہے نے ناتا ہے
غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر کوئی روئے اپنی دولت کو
کوئی بولے اپنا مجھ سے لو اور میرا ہو سو مجھ کو دو
کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق پر ناحق کو
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ایک نہ دینا دو

غل شور ہو لا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں تیار کسی کا ڈیرا ہے
کوئی باغ کنواں بنواتا ہے اور گھیر کسی نے گھیرا ہے
نت قصئے جھگڑے رہتے ہیں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے تیرا ہے نے میرا ہے
غل شور ہو لا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

دنیا کو دارالمکافات تو سب ہی کہتے ہیں اور سن سن کر شعرا نے بھی یہی نظم کیا ہے۔ مگر اُن کے اشعار سے عوام کے دلوں پر محض اتنا ہی اثر ہوتا ہے۔ جتنا مجلس وعظ میں کسی مولانا کے وعظ سے۔ وہ دنیا کو بدلے کا گھر مانتے تو ہیں مگر صرف اوپری دل سے بلکہ بہتیرے تو اس کان سنتے ہیں اُس کان اُڑا دیتے ہیں۔ نظیرؔ اسے اس طرح سمجھاتا ہے کہ نقش کالحجر ہو جاتا ہے۔ اور بھلائے نہیں بھولتا۔ کہتا ہے ؎

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اُس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے
یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزا موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اپنے نفع[۱] کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصاں ہوویگا اس بات پر تو دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی جو پی تو چھان کر
یاں پانوں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پائے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چاول سے چاول پائیگا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ واں کل پائے گا
کل دیوے گا کل پائے گا کلیا دے گا کل پائے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

---

[۱] نفع بسکون فا ہے مگر عوام کی زبان پر بتحریک فا ہے۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اسی مضمون کو کریم اللہ خاں دردمند نے بھی ایک رباعی میں نظم کیا ہے جو امیر اللغات سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ رُباعی

جو کوئی کسی کو یار کلپائے گا ‏ ‏ یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پائے گا
اس دار مکافات میں سُن اے غافل ‏ ‏ جو آج کرے گا تو وہ کل پائے گا

دونوں شاعروں کے انداز بیان کا فرق ظاہر ہے اور اس فرق کی وجہ سے اثر پر جو اثر پڑا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ نظیرؔ ناصح مشفق بنکر نصیحت کرتا ہے۔ دھمکاتا نہیں مگر دردمندؔ کا انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا دھمکی دینے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایسی تہدید میں اثر نہیں ہوتا نظیرؔ دنیا کی چہل پہل۔ ساز و سامان اور قصے قضیوں سے انسانی زندگی کی اہمیت کو سمجھ لیتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ آدمی کے دم سے ہے۔ اور آدمی کے دم تک ہے یہاں تک کہ آدمی بھی اسی وقت تک آدمی ہے جب تک دم میں دم ہے۔ دم نکل گیا تو وہ کچھ بھی نہیں اور اُس کے لئے دنیا کا خاتمہ ہو گیا۔ بظاہر یہ معمولی باتیں ہیں مگر نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں آدمی کے دم سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ دنیا اُسی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور اُسی کے متاثر ہونے کی وجہ سے ہر وقت تغیرات اور اتفاقات رونما ہو رہے ہیں۔

جہاں میں جب تلک یارو ہمارے جسم میں دم ہے
کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے

کہیں کس کس سے کیا کیا ایک دم کے ساتھ عالم ہے
مگر جو صاحبِ دم ہے وہ اس نکتے سے محرم ہے
جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے
یہی دم ہاتھی گھوڑے پالکی ہودج پہ چڑھتا ہے
یہی دم بیکسی میں ننگے پاؤں سے کڑھتا ہے
کوئی مفلس ہو گھٹتا ہے کوئی عمدہ ہو بڑھتا ہے
جو کچھ ہے اونچ نیچ اے یارو سب یہ دم ہی گڑھتا ہے
جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے
اسی دم کے لئے بدلی میں بگلوں کی قطاریں ہیں
اسی کے واسطے ابر و ہوا اور مینھ کی دھاریں ہیں
چمن گلزار بوٹا پھول پھل اور آبشاریں ہیں
نظیرؔ اب کیا کہے یارو یہ سب دم کی بہاریں ہیں
جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

سعدیؔ نے کہا ہے ؎

چو آہنگ رفتن کند جانِ پاک چہ بر تخت مردن چہ بر روے خاک

اور ذوقؔ نے کہا ہے ؎

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تو انگر ہو گئے ۔۔۔ خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے

ان شعروں سے غرض یہ ہے کہ مرنے کے بعد شاہ و گدا اور مفلس و تو انگر دونوں برابر ہو جاتے ہیں اور شریف و رذیل نیک و بد دولت مند و مفلس۔ عالم و جاہل۔ حاکم و محکوم۔ خادم و مخدوم اور مردود و مقبول کا فرق زندگی ہی تک رہتا ہے۔ نظیر دیکھتا ہے کہ یہ فرق زندگی کا مقتضا ہے۔ اور زندگی میں مٹائے مٹ نہیں سکتا اس لئے وہ عوام کو اس طرح سمجھاتا ہے ؎

(۱)

جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر ۔۔۔ کوئی موتی چابتا تھا کوئی موٹھ اور مٹر
یہ خاک پر موا وہ موا تخت کے اُوپر ۔۔۔ کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر

تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

(۲)

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو در در پھرا
جب وقت چلنے کا ہوا نہ یہ رہا نہ وہ رہا
آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر چل بسا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا

(۳)

یا حاکم یا محکوم ہوئے یا عاقل یا معقول ہوئے
یا خادم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے
کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب انت اسی میں دھول ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیئے پاک ہوئے

حکّاک مصوّر زرگر تھے یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
یا پھیری سے دوکان بسی یا جنگل جنگل بیٹھے تھے
جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے
بس اور نظیر اب کیا کہئے سب ناحق کے اندیشے تھے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیئے پاک ہوئے

(۴)

گر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن — اور اک یونہی پڑا رہا بیکس برہنہ تن
کیڑے مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن — دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

نظیر اپنے زمانے کی تعلیم سے بھی متاثر ہوا ہے۔ وہ سُنتا آیا تھا کہ انسان کو دنیا کے کاموں میں منہمک نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ دنیاوی زندگی چندروزہ ہے۔ جو یہاں آیا ہے اُسے ایک دن مر کر خاک ہونا ہے۔ اس تعلیم سے

ایک بڑا نقصان یہ ہوتا تھا کہ آدمی میں کام کرنے کی امنگ پیدا ہونے ہی نہ پاتی تھی اور آدمی دنیاوی فرائض کو فرائض سمجھ ہی نہ سکتا تھا آج ایشیا میں یورپ کی سی ترقیاں اسی تعلیم کی بدولت نہو سکیں نظیرؔ نے بھی کہہ دیا ہے ؎

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا کوئی پلاّ سر بھارا
کیا گیہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاویگا جب لاد چلیگا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گوں تری ڈھل جائیگی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پائیگی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جائیگی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آئیگی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلیگا بنجارا

نظیرؔ نے اس بات کو کہ مرنے پر کوئی ساتھ نہیں دیتا کئی جگہہ نہایت خوبی سے نظم کیا ہے۔ اُس کا انداز بیان ایسا ہے کہ اُردو کے کسی اور شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ کہتا ہے ؎

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے ۔۔۔ جن پر سنہری زین جواہر کے تھے پڑے
تاگن بھی ہنہناتے رہے چھوٹے اور بڑے ۔۔۔ مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

اور پالکی بنی تھی سنہری جو زر نگار — جھالر پہ جس کی ہوتے تھے موتی پڑے نثار
لا نالکی پہ موت نے جب کر لیا سوار — پھر وہ نہ پالکی نہ وہ جھالر نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ گاڑیاں جو دوڑتے تھیں گھوڑوں سے بیشتر — ناگوری اُن کے ہاتھی کے پاٹھے سے خوبتر
پہیا قضا نے ہاتھ سے جب اُلٹا آن کر — گاڑی اُدھر اُلٹ گئی مالک گرا اِدھر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ محافہ اور وہ چنڈول بگھیاں — وہ پینسیں وہ بوچے وہ چوپائے خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو کھٹکھٹے پر رواں — بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا میاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

(۲)

تو بدھیا لادے بیل بھرے جب پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آوے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارا

راز قدرت و کُنہ فطرت دریافت کرنے کی کوششیں ازل سے ہوتی آئی ہیں۔ بڑے بڑے حکیموں اور فلسفیوں نے ایڑی چوٹی کا پسینہ اس کوشش میں ایک کر دیا ہے۔ عقل بھی دوڑائی ہے آلے بھی بنائے ہیں۔ تجربے بھی کیے ہیں۔ مگر آخر میں سب معترف ہو گئے ہیں کہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ نظیر اس کوشش کا ذکر اپنے خاص انداز میں اس طرح کرتا ہے ؎

جہاں ہیں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا کہانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی کہ بھید کھولے تو سب یہ حیلے ہیں سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہیگا زمیں کا اب جو یہ بسترا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سے سر جن کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جاکر یہ ملک کیا ہے یہ کب بنا ہے
جو جانتا ہو تو کچھ بتائے نہ جانے سو کیا کہے یہ کیا ہے
ارسطو لقمان اور فلاطوں ہر ایک سر کو پٹک گیا ہے
یہ وہ طلسمات ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

متصوفین کی نظروں میں وجود خلاق عالم نمود صور موجودات پر مشتمل ہے یعنی وہ دنیا و مافیہا کو وحدت الوجود کا مظاہرہ سمجھتے ہیں اور ساری موجودات کو ایک ہی باری تعالیٰ کے وجود کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس طرح موج و حباب و گرداب و قطرہ و ژالہ ایک پانی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی طرح وجود ماسوا محض اعتباری ہے۔ حقیقۃً حق سبحانہ وتعالےٰ کے ایک وجود کی اختیار کی ہوئی یہ مختلف صورتیں ہیں۔ غالب نے کہا ہے ؎

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر یاں کیا دھرا ہے قطرۂ و موج و حباب میں

اسی لئے وہ خودی اور دوئی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے اور غیر میں فرق پسند نہیں کرتے۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ دنیا کے سارے قصے قضیئے اور جھگڑے فساد اسی تفریق نے پیدا کئے ہیں۔ خودی اور دوئی نہ ہوتی تو سب ایک ہوتے۔ نظیر متصوفین کا یہ خیال اس طرح ظاہر کرتا ہے ؎

ابھی یہ ڈھب تھا کسی سے اڑ کے کسی کے پانوؤں پہ جا کے پڑئے
کسی سے حق پر فساد کیجے کسی سے ناحق پہ جا کے لڑئے

ابھی یہ دُھن تھی نظیر دل میں کہیں بگڑیے کہیں جھگڑیے
دوئی کے اُٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑیے تو کس سے لڑیے
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہماری بڑی دُکاں تھی ابھی ہمارا بڑا کسب تھا
کہیں خوشامد کہیں درآمد کہیں تو اصنع کہیں ادب تھا
بڑی بھی ذات اور بڑے صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
خودی کے مٹتے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ نسب تھا نہ کچھ حسب تھا
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

آدمی دنیا میں جب تک رہتا ہے اپنے حال میں مست رہتا ہے۔ وہ جانتا تو ہے کہ ایک دن مرنا ہے مگر موت کا خوف اور مرنے کا خیال اُس کے کاموں میں خلل نہیں ڈالتا۔ پرانی تعلیم یہ تھی کہ موت سے ہر وقت ڈرتے رہو اور دنیا کے معاملات میں نہ پھنسو۔ اس تعلیم سے کام کرنے کا جو جوش اور ولولہ فطرت نے ودیعت کیا ہے وہ دب جاتا ہے خدا نے اسی مصلحت سے آدمی کو یہ قوت نہیں دی کہ اپنی موت کا دن معلوم کر سکے۔ اگر اُسے یہ معلوم ہو جاتا تو کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا۔ اور آج تک دنیا نے جو ترقیاں کی ہیں وہ نہ کر سکتی اور اُس کا جو حال ازل میں تھا وہی آج بھی ہوتا۔ باوجود اسکے کہ خدا نے آدمی کو اس کے مرنے کا دن معلوم نہیں ہونے دیا۔ اور اُس کے

یوم مرگ پر پردہ ڈالا ہے پھر بھی موت سے غفلت کی مذمت کی جاتی ہے اور موت سے نڈر ہو کے کام کرنے والوں کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ جب نظیر ان مضحکہ اُڑانے والوں کی ترجمانی کرتا ہے تو کہتا ہے ؎

ڈھاتے تھے وال عزور تو تن کی محل سرا — یہ گھر بنا رہے تھے دوالیں اُٹھا اُٹھا
اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آچڑھا — شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر ہوئی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان — تھے غرق لین دین میں اور کچھ بھی تھا نہ دھیان
لیکھا پھر اس میں عمر کا ڈیوڑھا ہوا جب آن — گو آبھی لنڈھ چلا نہوا تب بھی کچھ گیان
جب لٹ گئی دھڑی کی دھڑی تب خبر ہوئی

چھاتی پہ چڑھ قضا نے لیا جب گلے کو گھونٹ — پانی کا پھر تو آہ نہ اُترا گلے سے گھونٹ
اُکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ چھوٹ — پنجہ دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب چاب لی گلے کی نڑی تب خبر ہوئی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کہار — اور غل مچا کے بولے کہ جلدی کرو سوار
اس میں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار — کپڑے بدل کے عطر لگا پہن پھول ہار
نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر ہوئی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن — کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر چلن
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بیوطن — جب آ پڑے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر ہوئی

اس نظم کے آخری دونوں بند نظیر کی معجز بیانی کا بہترین نمونہ ہیں۔ کیفیت

کا ایسی خوبی سے نظم کر دینا اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ دیکھنے والوں نے ایک دو دفعہ نہیں سیکڑوں دفعہ دیکھا ہوگا کہ پردہ نشین عورتوں کو کہیں جانا ہوتا ہے تو کہار بُلائے جاتے ہیں۔ وہ پالکی لے کر دروازے پر جب آتے ہیں تو جلدی کرنے لگتے ہیں۔ اور سوار کر دو کی رٹ لگا دیتے ہیں۔ عورتیں اپنے بناؤ سنگار میں لگی ہوتی ہیں۔ نہا دھو کے کپڑے پہنتی ہیں۔ عطر لگاتی ہیں پھول کے ہار گلے میں ڈالتی ہیں اس تیاری کے بعد پالکی میں سوار ہوتی ہیں تو کہار اُٹھا کر لے چلتے ہیں۔ یہی حال مُردے کا بھی ہوتا ہے۔ آدمی مرا نہیں کہ قبرستان میں لے چلنے کی جلدی ہونے لگتی ہے۔ اُسے غسل دیتے ہیں۔ کفناتے ہیں۔ کفن میں خوشبو لگاتے ہیں۔ کبھی کبھی جنازے پر پھول کے ہار بھی ڈالتے ہیں۔ یہ تیاریاں ہو چکتی ہیں تو چار آدمی کاندھوں پر اُٹھا کر اُسے قبر تک کلمہ پڑھتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ جہاں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور اس پر ہزار دل من مٹی ڈالی جاتی ہے۔

نظیرؔ نے لفظوں میں یہ تصویر ایسی کھینچی ہے کہ اصلی حالت نظر دل کے سامنے آجاتی ہے۔ اس کے اثر اور کیفیت سے اردو کے شعرا کے دیوان خالی ہیں۔

نظیرؔ نے بے ثباتی دنیا، نیرنگ زمانہ، بے وفائی زندگانی کے بارے میں کثرت سے نظمیں لکھی ہیں۔ اس نے یہ نہیں کیا کہ ایک ہی سبق بار بار دھرایا ہو بلکہ ہر نظم میں ایک نئی کیفیت پیدا کی ہے۔ پڑھنے والے کو ہر نظم سے ایک نیا لطف ملتا ہے۔ ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک مصرع بتاتا ہے

ر کہ اُس کا تخیُّل ہمہ گیر اور متنوّع ہے۔ وہ اگر بزرگ بنکے نصیحت کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا بڑا خیر اندیش ہے اور ہمارے بڑے فائدے کی باتیں کہہ رہا ہے۔ حضرات واعظین اپنے وعظ و پند کے ذریعے سے کوشش کرکے جو باتیں ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں اور نہیں کرا سکتے (نظیر اپنے معمولی سے معمولی شعروں کے ذریعہ سے وہ سب ذہن نشین کرا دیتا ہے۔ واعظ ہمیشہ نیکی کرنے کی ہدایت کرتے ہیں (اُنھوں نے ہمیشہ بتایا ہے کہ اس دنیا کی نیکیاں عقبیٰ میں کام آئیں گی مگر اُن کا انداز بیان جیسا ہوتا ہے ظاہر ہے اور اُن کی موعظت کا اثر جیسا ہوا ہے معلوم ہے نظیر کا انداز بیان اور موعظہ یہ ہے ؎

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ بھی پاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں آؤ گے
کچھ بات نہیں بن آنے کی گھبراؤ گے پچتاؤ گے
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

نظم میں نیرنگ زمانہ کی کیفیت نظیر سے بہتر کوئی نہیں دکھا سکا کہتا ہے ؎

یہ جو اہلِ خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب — اہلِ صورت کا ہے دریا اہلِ معنی کا سراب
وہ مُطلّا قصرِ رنگیں وہ منقش بام و در — جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ و تاب
وہ عظیم الشاں مکاں تھیں جن کی رفعتیں — ہنسکے طاقِ آسماں کو طاقِ ابرو سے جواب

صحن میں بستا نسرا ایسے پر از غلمان و حور — جن کی نہروں میں بہا جاتے آب و گل لعل گلاب
اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق — کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہوش بہرام صولت بدر قدر و چرخ رخش — مشتری ہمت ثریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمل وہ تموّل وہ تفوّق وہ غرور — وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب
ہر طرف فوجِ بتاں ہر سو ہجومِ گلرخاں — جن کے عارض رشکِ ماہ و رشکِ روئے آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی — طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب
صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بصبح — متصل رقص و سرود و پے بہ پے جامِ شراب
ساقی و مطرب ندیم و مستی و میخوارگی — ساغر و مینا گل و عطر و مے و نقل و کباب
کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشانوش مے — از زمیں تا آسماں شورِ نے و چنگ و رباب
وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور — وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا یا دفعتہً — کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر — رہ گئے عبرت زدہ وہ قصر ویران و خراب
تھا جہاں وہ مجمعِ عالی وہاں اب ہے تو کیا — نقشِ سُمِ گور یا کہنہ کوئی پرِ عقاب
ہیں اگر دو خشت باہم تو لبِ افسوس ہیں — اور جو کوئی طاق ہے تو صورتِ چشمِ پُر آب

خواب کہیئے اس تماشے کو نظر آب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

(۲)

کیا دل لگائیں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں — نہ دوام ثبات اُس سے ہم نے یاں دیکھا اِنتہیں
تھا اک مکانِ گلستاں رشکِ چمن جس کی فضا — تھی اُس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ و نازنیں

قدِ حسرتِ سروِ چمن لب غیرتِ لعلِ رنگیں — جعدِ معنبر پرشکن نوکِ مژہ نشتر قریں
ناز و ادا کی گرمیاں غارتگرِ صبر و تواں — طورِ تکلم درفشاں طرزِ تبسم شکریں
پستاں کو عاشق دیکھ کر سمجھے تھا جنت کے ثمر — پڑتی جو ابروئے پُرنظر کہتا کہ یہ ہے تیغِ کیں
اُس کی کمر معدوم تھی عاشق کو پر معلوم تھی — چاروں طرف اک دھوم تھی ایسی غضب کی تھی حسیں
کیا کیا لگاوٹ بے بدل کیا کیا رکھاوٹ پُرمحل — کیا کیا بناوٹ پل بہ پل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں
گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ بن گئی — وہ نوجوانی نازکی دیکھا تو باقی ہی نہیں
وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے — جاں رنج سے پُردرد ہے آزردہ دل اندوہگیں
نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی — نہ لب میں وہ سرخی رہی نہ مُنھ میں وہ دُرِ ثمیں
جوں بید لرزاں دست و پا چلتی تھی لیکر اک عصا — نورِ سحر وہ بال تھا جو تھا مثالِ مشکِ چیں
دیکھا اُس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں — تھی کل تو رشکِ گلستاں ہے آج خارِ غمگیں

بولی نظیر عبرت[1] میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہِ چناں گاہِ چنیں

اِن دونوں نظموں کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ عوام کے لئے نہیں لکھی گئیں بلکہ اپنی قوتِ فکر و زورِ طبع دکھانے کے لئے شاعر نے کہی ہیں دوسری نظم ایسی صاف ہے کہ اس کی زبان نظیر کے زمانے کی معلوم ہی نہیں ہوتی۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اغلاط اور خامیاں نظیر کے جہل اور ناواقفیت کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر لغت اور قواعد کی پروا نہیں کرتا تھا اور عوام جو لفظ جس طرح بولتے تھے۔ اسی طرح نظم کر دیتا تھا۔ اُس نے اکثر و بیشتر نظمیں لوگوں کی فرمائش پر کہی ہیں اور

---

[1] عبرت کا عین گر گیا ہے۔

جیسا ایک بزرگ سے سنا ہے فرمائش کرنے والے معاوضہ بھی دیا کرتے تھے لہٰذا اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ فرمائش کرنے والوں کا مذاق علمی استعداد اور طبیعت کا رنگ اور میلان دیکھ کر نظمیں کہتا۔

نظیر سے پہلے بھی بعض شعرا نے مسلسل اشعار کی غزلیں کہی تھیں مگر ان غزلوں میں سوا عشق و عاشقی کے انسان کے اور کسی جذبے کا ذکر ہی نہ تھا اور عشق بھی وہ تھا جو حقیقی نہیں فرضی اور خلاف فطرت نہیں منافی فطرت تھا۔ نظیر پہلا شخص ہے جس نے معاشرت کے ہر پہلو پر نظر کی اور معلم اخلاق بنکر اور فرائض کے طرف بھی لوگوں کو متوجہ کیا۔ اس نے انسانی زندگی کے مختلف زمانوں کی حالت نظم کی اور ہر زمانے کی خوبیاں اور دلچسپیاں ظاہر کیں۔ نظمیں کیا ہیں رضاعت سے لیکر کہولت تک کی آئینہ ہیں۔ اُس نے طفلی کے بارے میں جو نظم کہی ہے اُس میں امیروں اور غریبوں دونوں کے بچوں کی حالت دکھائی ہے۔ اس کی قوت مشاہدہ ایسی تیز ہے کہ جو باتیں تیز نظر سے تیز نظر کو بھی دکھائی نہیں دیتیں وہ دیکھ لیتا ہے۔ کس مزے سے کہتا ہے۔

دل میں کسی کے ہرگز نہ شرم نہ حیا ہے — آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے — یاں یوں بھی واہ وا ہے اور دوں بھی واہ وا ہے

کچھ اس طرح سے کھائے کچھ اس طرح سے کھائے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

باپ ماں سے پوچھنا چاہیئے کہ ان مصرعوں میں کیا لطف ہے حقیقت یہ ہے

کہ ان کی خوبیاں نہ تو بیان کی جا سکتی ہیں۔ نہ اس حالت کو نظیر کے سوا کوئی اور شاعر نظم کر سکتا ہے۔

قرینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر نے کسی بچے کی بے فکری اور بھولے پن کو دیکھا ہے اور اس کی فطری سادگی سے متاثر ہو کر یہ نظم کہی ہے۔ کیونکہ آخری بند میں وہ کہتا ہے ؎

یہ بالے پن کا یار دو عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے جس میں جو ہے وہ بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشا بھی کیا ہے
اب تو نظیر دل سے میری یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

نظیر کی یہ دعا کہ "جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے" والدین کے دلوں میں وجدانی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ حضرات شعرا جنھوں نے عروض و قافیہ اور قواعد کی کتابیں ضرورت سے زیادہ پڑھی ہوں گی فرمائیں گے کہ "آس و مراد والے" میں واو عطف غلط ہے مگر غلط ہی ترکیب کے ساتھ وہ ایسی کوئی دعا نظم کر کے دکھا دیں۔ اسی کتاب میں کسی اور موقع پر اس غلطی سے بحث کی گئی ہے۔

جوانی کے بارے میں نظیر نے جو کچھ کہا ہے اُس سے کون جوان اور کون بوڑھا واقف نہ ہوگا۔ اس نظم کو جو پڑھتا ہے اُسے یہ اپنی ہی روداد اور آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ گویا نظیر موجود تھا اور جملہ حرکات و سکنات کو غور سے دیکھ دیکھ کر نظم کرتا جاتا تھا۔ جوانی میں کیا نہیں ہوتا۔ اور جو

ہوتا ہے حقیقتاً جوانی اُسی کے لئے ہے بھی اور اُس کی ہو بہو تصویر کھینچنا نظیر کے سوا کسی اور شاعر کا کام بھی نہیں۔ زندگی کے اس بہترین زمانے کی دلچسپ رنگ رلیوں کے بیان کرنے کو اردو کے بہترین شاعر ہی کی ضرورت تھی۔ وہ کہتا ہے ؎

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا ‌ ‌ جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا کہیں شیدا
پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا ‌ ‌ مرتے ہیں سسکتے ہیں بلکتے ہیں اہا ہا
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سینٹ[1] ‌ ‌ چھوٹا ہے کہیں پیار کسی سے ہے لگی نین
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں مینٹ[2] ‌ ‌ نہ جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے کہیں مہر و محبّت ہے کہیں چاہ ‌ ‌ کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ
ساقی ہے صراحی ہے پریزاد ہیں ہمراہ ‌ ‌ کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں اللہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات ‌ ‌ اس سن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پری زاد چلے آتے ہیں دن رات ‌ ‌ سیریں ہیں بہاریں ہیں تواضع ہے مدارات

---

[1] سینٹ : اشارہ ۔ [2] سین میں : اشارہ و کنایہ ۔

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

یوں تو مقتضاء فطرت ہی یہ ہے کہ کمال کے بعد زوال ۔ نشو کے بعد انحطاط اور الشباب کے بعد اکتہال یعنی جوانی کے بعد پیری ہو مگر کسی زوال اور کسی انحطاط کی اتنی مذمت اور شکایت نہیں کی جاتی جتنی پیری کی. فارسی میں پیری و صد عیب کہتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے ۔ کیونکہ بچپن سے جوانی تک جتنی اُمنگیں جوش اور ولولے پیدا ہوتے ہیں ۔ پیری میں سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ چونکہ قدر نعمت بعد زوال ہوتی ہے اسلئے جوانی کی ایک ایک بات یاد آ کے بڑھاپے میں آدمی کو ہر وقت تڑپایا کرتی ہے ۔ جوانی کے مسرت بخش واقعات اور عشرت اندوز معاملات اُس کے پیش نظر ہوتے ہیں ۔ اور ہر لحہ اس کی پریشانی کو بڑھایا کرتے ہیں مگر جو شخص جوانی کو زاہد خشک بن کے گزارتا ہے ۔ اُسے پیری میں وہ ایذا نہیں ہوتی جو کسی رنگیلے اور عیاش کو ہوا کرتی ہے ۔ کیونکہ جوانی میں اس کا سا عیش زاہد خشک بھول کر خواب میں بھی نہیں دیکھتا. نہ پیری میں اُس کی سی رنگ رلیوں کی یاد زاہد خشک کے وہم و گمان میں ہوتی ہے ۔ نظیر بطور خود بظاہر تو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اُس کی رنگ رلیوں کی حالت بڑھاپے میں کیا ہو رہی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ عیش پرست جوانوں کی عبرت کے لیئے اس نے نصیحت کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے جو اور طریقوں سے بدرجہا زیادہ اثر رکھتا ہے وہ کہتا ہے ؎

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا   اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا   ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے   وہ کون سے گلرو تھے جو ہم نے نہیں گھورے
اب آکے بڑھاپے نے کئے ایسے ادھورے   پر جھڑ گئے دم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار اُلٹ ہم سے گیا ہائے زمانا   جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داد اکا بہانا   ہنسکر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جائیں تو یارو   کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بد خو   کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر جاویں طوائف میں تو لگتی ہیں ستانے   کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نماز دں کے دوگانے   ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر نے جوانی اور بڑھاپے کی لڑائی بھی نظم کی ہے۔ یہ نظم کسی قدر پھیکی تو ہے مگر کیفیت سے خالی نہیں اور جوانوں کے لئے درس عبرت ہے۔ جوان عام طور پر بوڑھوں کو بری نظروں سے دیکھا کرتے ہیں اور اپنی قوت و توانائی پر ناز کیا کرتے ہیں۔ نظیر کہتا ہے کہ اگر جوانوں میں اکڑ اور زور ہے تو ہوا کرے۔ بوڑھوں کی عقل اور تجربہ جوانوں سے کہیں زیادہ ہے اس لئے وہ جوانوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ کہتا ہے ؎

جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار
بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ہوئے ہیں دونوں جو لڑنے کے واسطے تیار
ادھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار
ادھر بڑھاپے نے بھی لاٹھی اک اٹھائی ہے

جوانی کہتی ہے ؎

ہیں آج وہ ہوں کہ رستم کو ٹھکر ٹھکرا ڈالوں
پہاڑ ہووے تو اک دم میں ہل ہلا ڈالوں
درخت جڑ سے اکھاڑوں زمیں ہلا ڈالوں
ابھی کہے تو تری دھجیاں اڑا ڈالوں
کہ مجھ کو زور کی قوت کی بادشاہی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تو نے جھوٹ کہا
جو پوچھے سچ تو ہمیں کو مزا ہے جینے کا
شراب ہو جو پرانی تو بڑھ چلے ہے نشا
پرانے جب ہوئے چاول تو ہے انھیں میں مزا
قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کچھ چاہ
جہاں تو ہو گئی پھر بس ہی ہے حال تباہ
ہمیں وہ ہیں کہ کرے ہیں تمام عمر نباہ
تو آپی دیکھ گریباں میں ڈالکر منہ آہ

کہ اب ہے کس میں وفا کس میں ہے وفائی ہے

جوانی غور سے سُن میرا کیسا ہے رُتبا مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
بزرگی اور مشیخت بڑھاپے میں ہے سدا تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا
تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پر آئی ہے

جوانی جواب دیتی ہے (اور جواب بھی ایسا کہ سوا نظیرؔ کے اور کسی کے دماغ میں آ ہی نہ سکتا تھا)۔

جسے تو جینا سمجھتا ہے اور خوشی کی بات وہ تیرا جینا نہیں بلکہ بے حیائی ہے

نظیرؔ کی نظم "فقیروں کی صدا" بھی بڑھاپے ہی کی بابت ہے۔ اس کا انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا فقیروں کا ہوا کرتا ہے۔ اثر اس میں غضب کا ہے۔ ایک ایک مصرع سے حسرت و یاس، حزن و ملال اور رنج و غم مترشح ہے۔ بڑھاپے میں موت کا خیال ہر وقت رہتا ہی ہے اور اپنی ناتوانی اور قابل رحم حالت کو ہر بوڑھا سمجھتا ہی ہے فقیر کی زبان سے اسی کا بیان ہے اور غافل کو ہشیار کرنا منظور ہے۔ یہ نظم نظیرؔ کے آیات کمال میں سے ہے اور اس کی نظیر اُردو اور فارسی میں نایاب ہے۔ بڑھاپے کی رُلا دینے والی حالت وہ اس طرح بیان کرتا ہے ؎

سر کانپا چاندی بال ہوئے منھ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیائے گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سب جانتے ہیں کہ بڑھاپے میں سر کانپنے لگتا ہے۔ بال جھڑ جاتے ہیں منھ پچیل جاتا ہے۔ پلکیں آنکھوں پر لٹک آتی ہیں۔ کمر جھک جاتی ہے سماعت میں فرق آجاتا ہے۔ بصارت کم ہو جاتی ہے۔ آرام سے نیند نہیں آتی۔ بھوک نہیں لگتی۔ دل سست رہتا ہے۔ آواز تھرانے لگتی ہے۔ اور اس علامت سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ جوانی ختم ہو گئی اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب وقت آگیا ہے۔ مرنے کو کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔ یہی باتیں نظیر بیان کر رہا ہے۔ اُس کے بیان میں نہ تصنع ہے نہ تکلف سیدھے سادے الفاظ ہیں جن میں جادو کا اثر ہے۔ اسی نظم میں وہ اپنے تخئیل کا زور بھی دکھانا چاہتا ہے اور کہتا ہے ؎

یہ اسپ بہت کودا اُچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کو اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اس بند کے تیسرے اور چوتھے مصرعوں کو شاعری کا معجزہ سمجھنا چاہیے۔ یہ وہ تمثیل ہے جس پر اردو کو ناز ہے اور ناز بجا ہے۔

شاہ ظفر مرحوم نے بھی فقیر کی صدا نظم کی ہے۔ وہ بھی یہاں نقل کی جاتی ہے تاکہ دونوں شعرا کے انداز بیان اور تخیل کا فرق اور دونوں کے اشعار کے اثر کی حالت ظاہر ہو جائے۔ ظفر ارشاد فرماتے ہیں ؎

کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہو گا
محتاج خراباتی ہے یا پاک نمازی ہے
کچھ کر نہ نظر اس پر دل نکتہ نوازی ہے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہو گا
دنیا کے کیا کرتا ہے تو سیکڑوں دھندے
پر کام خدا را بھی کر لے کوئی بندے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہو گا
دنیا ہے سرا اس میں تو بیٹھا مسافر ہے
اور جانتا ہے یاں سے جانا تجھے آخر ہے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہو گا
جو رب نے دیا تجھکو تو نام پہ کچھ دے
گر یاں نہ دیا تو نے واں دیوے گا کیا بندے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہو گا
دیگا اُسی کو تو وہ جس کو ہے دلواتا
پر ہے یہ ظفر تجھ کو آواز سُنا جاتا
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہو گا

اس مثلث کے دوسرے بند پر شعرا سے خوش فہم اعتراض کریں گے کہ "کے کیا کر" میں تنافر ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسی تنافر نے لطف پیدا کیا ہے اور یہی وہ تنافر ہے جس کے ڈر سے آج شعرائے اُردو کی زبانوں پر پوری بات نہیں آتی۔ اور اسی کی بدولت سخن فہموں،

کو اردو شاعری سے تنفر ہے۔

نظیر ہر چیز کی اہمیت کو بخوبی سمجھتا ہے۔ اور شاعروں کے اشعار کی طرح اُس کے اشعار جھوٹ اور خرافات کا طومار نہیں ہوتے۔ وہ دنیا کی ایک ایک چیز کو آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے اور دیکھنے کے بعد ایسے کلیے بناتا ہے جن میں استثنائی گنجائش ہوتی ہی نہیں۔ غالب فرماتے ہیں ؎

تنگ دستی اگر نہ ہو غالب　　　تندرستی ہزار نعمت ہے

اُن کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر تنگ دستی ہے تو تندرستی ہزار نعمت نہیں۔ حالانکہ فقیر اور محتاج کو بھی تندرستی کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی امیر اور دولت مند کو۔ اسی لئے نظیر کہتا ہے ؎

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو　　　بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو　　　مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

چونکہ آبرو اور تندرستی سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی چیز نہیں اسلئے وہ بے ساختہ کہتا ہے ؎

پروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو　　　محتاج حق سوا وہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال علم و ہنر گر ملا نہ ہو　　　اک تندرستی چاہئے کچھ ہووے یا نہ ہو
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ پر اُس کو جانئے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ اب جس کا تن درست ہو حرمت سی ہو نباہ
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے گنے اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اگرچہ نظیر زیادہ تنگدست اور مفلس نہیں تھا۔ اور سے

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان

پھر بھی وہ فارغ البال نہیں تھا۔ اُسے فکر معاش رہتی تھی۔ اور معاش سے اس کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی تھی کہ اطمینان سے بسر کر سکتا وہ اپنی مفلسی کا اظہار اس طرح کرتا ہے سے

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے ب بتاتے ہیں وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

آگے کے بندوں میں اُس نے مفلسوں کی حالت جس خوبی اور واقعیت سے دکھائی ہے وہ اس کی قدرت کلام کی شاہد ہے۔ کس مزے سے

کہتا ہے ؎

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے
نہ روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں چدّر اوڑھے میلی سی اک پیچھے جاتی ہے
بیٹا بنا ہے دولھا تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے
جو آشنا ہیں اُن کی تو اُلفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

اُس نے ایک نظم میں خوشامد کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ نظم پھیکی ہے مگر خوشامد کا جو اثر ہوا کرتا ہے اس کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔ کہتا ہے ؎

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں
ساس بولے کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ بھیّا ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

نظیر نے ہندوانے تیوہاروں کا سماں نظم میں دکھایا تو ہے مگر نظمیں پھیکی ہیں اور اُن سے ہندوؤں کے جذبات اور احساسات پورے

طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے وہ طبیعت پر زور ڈال کر کہا ہے۔ یہ خیالات اُس کے دل میں بے ساختہ پیدا نہیں ہوئے۔

سلونو یا رکشا بندھن ہندوؤں کا خاص تیوہار ہے۔ اس میں عورت و مرد ہاتھوں میں راکھی یا ایک طرح کا زری کا کنگنا باندھتے ہیں اور شکر لے کر سسرال جاتے ہیں۔ اس کی کیفیت نظیر اس طرح دکھاتا ہے ؎

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونو کی بہار اب تو
ہر اک گلرو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باھمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی
ادا سے ہاتھ اُٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہنچے اور کہاں یہ سنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شوخ گل رخسار کی راکھی

دیوالی ہندوستان میں قمار بازی کا ایک تیوہار ہو گیا ہے۔ اس تیوہار سے اصلی غرض جو تھی اس کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے۔ نظیر

بھی وہی باتیں نظم کرتا ہے جو سرسری طور پر اُسے نظر آتی ہیں۔ پھر بھی سماں بندی کا حق ادا کر دیتا ہے۔ کہتا ہے ؎

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونوں کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار
ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی ہے

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
جو اصل جواری تھے اُن میں تو جان سی آئی
خوشی سے کود اچھلکر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلی بار گنڈے کی
پھر اس سے بڑھکے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی
تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

ہولی ہندوؤں کا خاص تیوہار ہے۔ وہ اس تیوہار میں گاتے بجاتے اور رنگ ڈالتے پھرتے ہیں۔ سوانگ بھر کر گلی کوچوں میں گشت لگاتے ہیں۔ دوستوں کے گلے ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں ایسی چہل پہل کسی اور تیوہار میں نہیں ہوتی۔ نظیر ہندوؤں سے میل رکھتا ہے۔ اُن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ اسی لئے اس تیوہار کی کیفیت جیسی اُس نے نظم کی وہ کسی اور سے نہ ہو سکی کہتا ہے ؎

ہر جا کہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے

ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
مُنھ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں اپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودے ہیں کچھ اُچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محاکات کے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو بے زیادت و بے کم و کاست بیان کردیں مگر بزعم بعض محاکات کے یہ معنی ہیں کہ کسی کیفیت یا حالت کو اس طرح بیان کریں کہ حقیقت سے تجاوز و انحراف نہو۔ بہر حال نظیر محاکات کا بادشاہ ہے۔ یہی نہیں کہ اس کا بیان تصنع و تکلف سے پاک ہے بلکہ وہ ایسی پتے کی باتیں بتاتا ہے کہ اصل و نقل میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ اکبرآباد میں نہر جمن کی حالت وہ یہ دکھاتا ہے ؎

نہر جمن کو دیکھو تو جیسے جمن کی نہر
لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک اسکی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی مُنھ دھووے شاد بہر
اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جو نہر پر عیاں

روضۂ تاج گنج کی تعریف میں کہتا ہے ؎

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں بنا پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اسمیں رہئے تو ہرگز نہ جی اداس آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں گرد اُن کے جالی اور مُحجّر ہے دُرفشاں
سنگیں گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں پتّے کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

آگرہ کی تیراکی کی کیفیت وہ یہ دکھاتا ہے ؎

کتنے دکھڑے ہی پیرں یا دکھا کے سینہ سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ سر دوں کا بہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صاف سوتے کتنوں کے ہاتھ پنجے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے حقوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کے بستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظیر ہر مذہب کے بزرگوں کا احترام کرتا ہے۔ اس نے بزرگوں کی شان

میں جو نظمیں کہی ہیں۔ اُن کے لفظ لفظ سے حسن ظن ظاہر ہوتا ہے۔ کنہیا جی کے جنم کے متعلق اُس نے جو نظم کہی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو مذہب کی ایک ایک بات سے واقف تھا اور واقفیت کے ساتھ وہ ایسی قدرت بھی رکھتا تھا کہ ان باتوں کو من وعن نظم کر سکا۔ اس نظم میں عروض کی غلطیاں تو ضرور ہو گئی ہیں مگر اس بند کی کیفیت تعریف سے مستغنی ہے ؎

اب نند کے گھر کی بات سنو واں ایک اچنبھا یہ ٹھہرا
رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا
گھڑیالیں چھوٹیں ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا
پھر کشن گرب نے نام رکھا سب کنبے کے مل بیٹھے آ
نند اور جسودا اور گوات کرنے واں سر ابھر لگے
پکوان مٹھائی میوے کے ہر ناری آگے ڈھیر لگے
سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آ بیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت جچا کے گاتی تھیں
کچھ ہر دم مکھ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ سونٹھ سٹھورا کرتی تھیں کچھ تھال پنجیری کے رکھتیں
کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو
کوئی گھٹی بیٹھی گھوم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بھوسی

کوئی لائی ہنسلی اور کھڑ دے کوئی کرتہ ٹوپی میوہ گھی
کوئی دیکھے روپ اس بالک کا کوئی ماتھا چومے بھر بھری
کوئی کرے تعریف بھوؤں کی کوئی آنکھوں کی کوئی پلکوں کی
کوئی کہتی عمر بڑی ہو دے اے بیر تمہارے بالے کی
کوئی کہتی بیاہ بہو لاؤ اس آس مراد دل والے کی
کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بہنا تیری نیک رتی
یہ بالے ان کو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑہ بھاگی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑھے اس گھر کے بھی
یہ باتیں سب کی سن سنکر خوش ہو کے جسودا کہتی تھی
اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگوں کی تو پر کرپا ہے
تھی کو لے کو لے خوش وقتی اور طبلے تال کھڑکتے تھے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
ہر چار طرف آنندیں تھیں وہ اس گھر میں نند جسودا کے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے کوئی چھجے
سو خوبی اور خوشحالی سے دکھلاتی تھی سامان گھڑی
سچ بات ہے بالک ہونے کی ہے دنیا میں آنند بڑی
پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب ریت ہوئی دد کاندل کی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالدی ہلدی بہتیری

یہ اس پر چھینکے بھر بھر کر وہ اس پر ڈالے گھڑی گھڑی
کوئی یوں پوچھے تکھ اور باہمن کو کوئی سگری بھیگی اور ٹھری
اس دودھ کی بھی رنگت لیوا میں روپ ادر بتو ہر ناری کا
اور تن کے ابرن یوں بھیگے جو رنگ ہو کیسر کیاری کا

نظیر نے ایک نظم کرشن جی کی بانسری کی تعریف میں کہی ہے مگر وہ بہت ہی فرد رہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ کنھیا جی کے جنم اور بانسری کے عنوانوں سے جو نظمیں ہیں وہ ہندی رسم الخط میں چھپتیں اور ہندی کی نظمیں سمجھی جاتیں۔ ایسی نظموں کو اردو نظمیں سمجھنا اردو شاعری کو پست کرنا اور نظیر کو بد نام کرنا ہے۔ محاکات کے اعتبار سے چاہے وہ کچھ ہی ہوں مگر شاعرانہ انداز کے لحاظ سے دونوں اردو کی بدترین نظمیں ہیں۔ نانک شاہ گرو کی تعریف میں جو نظم ہے اس کا یہ حال تو نہیں مگر اُس سے صرف وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو پنجابی زبان سے ذوق رکھتے ہیں پھر بھی حسن ظن کا اظہار جن الفاظ میں کیا گیا ہے وہ مستحق توصیف ہیں۔ پہلا بند یہ ہے ؎

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود مراد امید سبھی بر لاتے ہیں دلخواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کو ترباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو

سب سیس نوا اردا اس کر دا اور ہر دم بولو واہ گرو

حضرت سلیم چشتی کی شان میں جو نظم ہے وہ نظیر کی مدحیہ نظموں میں بہت اچھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر شیعہ ہونے پر بھی اہل سنت کے جذبات کو بخوبی سمجھتا ہے اور ان جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اُس کے شیعہ ہونے کا گمان کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نظم میں الفاظ بھی ایسے استعمال کئے گئے ہیں جن سے بہتر اب عظمت و بزرگی ثابت کرنے کو مل ہی نہیں سکتے۔ کہتا ہے ؎

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتی
عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سردفترِ مسلماں حضرت سلیم چشتی
مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

مُلّا کاشی نے جناب امیر کی مدح میں کہا ہے ؎

السلام اے سایہ ات خورشید رب العالمیں
آسمانِ عز و تمکیں آفتابِ داد و دیں

نظیر حضرت سلیم چشتی کی مدح میں کہتا ہے ؎

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے
روشن ہیں تم سے پردے سب آسماں زمیں کے
بیشک ضیاء دل ہو ہر صاحب یقیں کے
ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے
ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتی

نظیر نے حضرت علی علیہ السلام کا ایک معجزہ بھی نظم کیا ہے۔ چونکہ وہ شیعہ تھا اور جناب امیر سے عقیدتمندی اُس کا مذہب تھی اس نے اس نظم میں اظہارِ ولا کچھ اس طرح کیا ہے کہ پڑھنے والے مبہوت ہو جاتے

ہیں۔

قصہ یہ بیان کیا ہے کہ ایک دولت مند شکار کھیلنے کسی جنگل میں گیا جو ایک شیر اور شیرنی کا مسکن تھا۔ شیرنی نے دو بچّے دیئے تھے جنھیں اتفاق سے وہ اس وقت دودھ پلا رہی تھی۔ مگر دولت مند کی بندوق کی آواز جو سنی تو شیرنی اور شیر دونوں بھاگ گئے اس دولت مند کی نظر بچوں پر پڑی اور وہ اُنھیں اُٹھا لایا۔ اس کے جانے کے بعد شیر اور شیرنی دونوں واپس آئے تو اُنھوں نے اپنے بچوں کو نہ پایا۔ اس پر شیر تو رنج سے غش کھا کر گر پڑا اور شیرنی روتی دھوتی جناب امیر کے روضہ اقدس کی طرف فریادی بنکر چل کھڑی ہوئی۔ جب نجف اشرف میں پہنچی تو لوگ اس کو دیکھ کر ڈرے مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور روضہ اقدس میں حاضر ہو کر فریاد کرنے لگی۔ شریف نجف نے شیرنی کی یہ گریہ وزاری دیکھی تو اُس نے جناب مقدس میں حسب دستور قدیم عرض معروض کی جواب یہ ملا کہ دوسرے دن حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ رات کو سوتے میں اسے حکم دیا کہ کل دونوں بچّے نجف اشرف کو بھیجدے اس دولت مند نے عرض کی کہ نجف اشرف تو یہاں سے پندرہ دن کی راہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ دونوں بچے شہر کی آبادی کے باہر بھیج دے۔ وہاں ایک ناقہ اور ایک سوار ظاہر ہوگا۔ وہ بچوں کو نجف اشرف لے جائیگا اس دولت مند نے حکم کی تعمیل کی اور بچے روضہ اقدس میں دوسرے

دن پہنچ گئے۔ شیرنی نے بچوں کو دیکھا تو اُسی طرح پیار کرنے لگی جس طرح آدمی اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ اور بچے بھی ماں سے اسی طرح ملے جس طرح بچھڑے ہوئے ملا کرتے ہیں۔ پھر شیرنی اپنے بچوں کو لیکر سات دفعہ روضۂ اقدس کے تصدق ہوئی اور اپنے مسکن کو واپس گئی۔

اب کون ایسا ہے کہ ان بندوں کو پڑھے گا اور اس کے دل پر چوٹ نہ لگے گی اور آنکھوں میں آنسو نہ بھر آئیں گے ؎

جب آئے شیر و شیرنی باحالتِ تباہ — اور دونوں بچے بن میں نہ آئے انھیں نگاہ
وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کرکے آہ — اور شیرنی نے لی نجف اشرف کی واں سے راہ
سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

جس دم وہ پہنچی حیدر صفدر کے در تلک — دربان اُس کے خوف سے یکسر گئے سرک
داخل ہوئی وہ روضۂ اقدس میں یک بیک — رونے لگی وہ سامنے سر کو پٹک پٹک
آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اس کی آنسو کی ندی جو بہتی تھی — بچوں کا داغ اپنے کلیجے پہ سہتی تھی
کچھ منہ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی — گویا وہ غم سے اپنی زباں میں یہ کہتی تھی
بچے مرے دلایئے یا شیر کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا — مظلوم جیسے رووے ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بھنبھنا — نکلے تھی آغا آغا کی منہ اُس کے سے صدا
کہہ آغا آغا درد سے روتی تھی زار زار

فریادی بنکے ساقیِ کوثر کے سامنے — محتاج بن کے صاحبِ قنبر کے سامنے

یوں دیکھتی تھی روضۂ انور کے سامنے　　مظلوم جیسے آن کے داد کے سامنے
کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

اس کے بعد جب بچے واپس لائے گئے ہیں تو شیرنی کی یہ حالت ہوئی ہے ؎

بچوں کے آنے کے جب غل ہوئے گرد　　وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منھ کو موڑ
جب لائے اُسکے سامنے بچے دئے وہ چھوڑ　　یوں خوش ہو چاٹنے لگی اُلفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار

بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے　　یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جادو دھنے لگے　　اس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اسکے منھ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اس کے بچے آئے تو پھر ہو کے شادماں　　بچوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
روضے کے سات بار تصدق ہوئی وہاں　　اور آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہنچی اپنے دشت میں خوش ہوتی بار بار

کوّا اور ہرن کا بچہ - نظیر کی وہ نظم ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کا افسانہ نگار ہے۔ اگرچہ اس نظم کی زبان ڈیڑھ سو برس اُدھر کی ہے پھر بھی سلاست اور روانی قابل رشک ہے۔ کس مزے سے کہتا ہے ؎

اک دشت میں سنا ہے کہ اک خوب تھا ہرن　　بچہ ہی ننھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن
پھرتا تھا چوکڑی کا دکھاتا مزا ہرن　　دیکھا جو ایک کوّے نے وہ خوشنما ہرن

دل کو نہایت اس کے وہ اچھا لگا ہرن

اس نظم سے اخلاقی نتیجہ یہ نکالا ہے سے

گیدڑ نے اُس ہرن کا جو چھینا تھا واں ترا
پانی اُسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا

نظیر کا سا وسیع النظر شاعر اردو میں کوئی نہیں ہوا۔ وہ کسی چیز کو سرسری طور پر نہیں دیکھتا بلکہ آنکھیں کھول کر اس طرح دیکھتا ہے کہ ماہیت آئینہ ہو جاتی ہے۔ چونکہ زبان پر اُسے قدرت تامہ حاصل ہے وہ دیکھنے کے بعد بال کی کھال نکال دیتا ہے۔ کورا برتن کس نے نہ دیکھا ہو گا۔ اُس میں پانی کس کے سامنے نہ بھرا گیا ہو گا۔ سنسناہٹ کی آواز کس کے کانوں تک نہ پہنچیگی۔ سوندھی سوندھی بو کس نے نہ سونگھی ہوگی۔ مگر ان سب کا نظم کرنا کوئی آسان بات نہ تھی اس لئے نظیر کے سوا اور کسی شاعر کو نظم کرنے کی جرأت نہ ہوئی وہ کہتا ہے سے

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی
جس میں کھلتی ہے ہر کلی بن کی

بو ندپانی کی اُن میں جب کھنکی
کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے
وہی آئنے کے مول کولی ہے

کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے
کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے　　آب موتی کی پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے　　دوستو یہ بھی بات پانی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

نظیر نے ایک نظم ریچھ کا بچہ بھی کہی ہے۔ اس سے اُسکا قادر الکلام ہونا تو ضرور ثابت ہوتا ہے مگر کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ ریچھ کے بچے کی کشتی دیکھ کر نظیر سے نظم کرنے کی خواہش کی گئی ہوگی اس لئے نظم کردی ہوگی۔ اس میں بھی عیوب شعری موجود ہیں۔ پھر بھی اس بند کی بے ساختگی تعریف چاہتی ہے ؎

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جن پہ کرن پھول　　مُقیش کی لڑیوں کی پڑی پاٹھ اور جھول
اور ان کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول　　یوں لوگ گرے پڑتے تھے سرپاؤں کی سدھ بھول
گویا کہ پری تھا وہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

ہنس نامہ نظیر کے آیات کمال میں سے ہے۔ اردو میں کوئی تمثیلی نظم اس پائے کی نہیں۔ شاعر یہ دکھانا چاہتا ہے کہ آدمی دنیا میں چار دن کا مہمان ہوتا ہے۔ ساتھ والے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں مگر جب دنیا سے سفر کرتا ہے تو قبر کے کنارے ہی تک اُس کا ساتھ دیتے ہیں۔ آگے نہیں جاتے۔ اسکے تمثیلی صورت میں نظیر اس طرح لاتا ہے ؎

آیا تھا کسی شہر میں اک ہنس بچارا — اک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اُس کا گزارا
رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر — اُس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا
سب ہو کے خوش اُس کی مئے الفت لگے پینے — اور پیت سے ہر ایک نے واں بھر لئے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے — اس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے
اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لطف و کرم تمنے کئے ہم پہ ہیں جو جو — تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو — لو یارو ہم اب جاوینگے کل اپنے وطن کو
اور تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اڑے ہوش — سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا
بن دیکھے تمھارے ہمیں کب چین پڑینگے — اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھرینگے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہینگے — ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلینگے
یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا

اس میں جو ہوئی کوچ کی وہ صبح نمودار — پر اپنا ہوا پر وہیں اُس ہنس نے مارا
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے ان سبھی نے تو کر آہ — سب ساتھ چلے اُس کے وہ ہمراز و ہواخواہ
ہر ایک نے اُڑنے کے لئے پنکھ پسارا

دو کوس اُڑے تھے کہ ہوئی ماندگی غالب — پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا
کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کار — اور اتنے اڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ اظہار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار — کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار
کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا

تھی اُس کی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے ۔۔۔ سمجھے تھے بہت دل میں وہ الفت کو بڑی شے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رے ۔۔۔ چیلیں رہیں کوّے گرے اور باز بھی تھک گئے
اس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا

دنیا کی جو الفت ہی تو اُس کی ہے یہ کچھ راہ ۔۔۔ جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا میں تو واں کیجئے کیا چاہ ۔۔۔ سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

نظیر نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ اور تغزل کے اعتبار سے بھی وہ اُردو کا بہترین شاعر ہے۔ اس کے یہ اشعار لاجواب ہیں ؎

آغوشِ تصور میں جب ہم نے اُسے مسکا ۔۔۔ لبہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا
اُدھر اُسکی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا ۔۔۔ اِدھر مر نا تڑپنا غش میں آنا دم اُلٹ جانا
دل ہوا جس دن سے بسمل ابروئے دلخواہ کا ۔۔۔ تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اجل ۔۔۔ آرہ ادھر دکھاتی ہے ادھر تبر قضا

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چمن سرشت نصیب
خدا نے ہم کو اُسی جا کیا بہشت نصیب

دل سا دُرِ یتیم بکا کوڑیوں کے مول ۔۔۔ کیا کیجے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب
قسمت میں اگر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا ۔۔۔ بے اختیار آپ سے شیشہ کھسکا جستا
بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا ۔۔۔ صد شکر کہ ہے کاتبِ تقدیر کوئی اور

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ   حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب کلام نظیر

رہے نام اللہ کا

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہیگا — نہ صاحب مقدور نہ ناکام رہیگا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہیگا — شادی نہ غم گردشِ ایام رہیگا
نہ عیش نہ دُکھ درد نہ آرام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

ملے عالمِ ارواح سے تا عالمِ جنّات — انسان پری حور و ملک جنّ و خبیثات
کیا ابر و ہوا جنگل و کوہ ارض و سمٰوات — اک پھونک میں اڑ جائینگے جوں نقش طلسمات
مستور نہ مشہور نہ گمنام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے خسرہ سے جو کرتے ہیں سدا کام — یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب اُسکے فنا ڈالے گی اک گردشِ ایام — اک آن میں اڑ جائے گا ہر چیز کا الزام

مختار نہ مجبور نہ خودکام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

اب دل میں برے اپنے جو کہلاتے ہیں اغیار　　سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آئے فنا ڈالیگی سر کے اوپر اک وار　　اور وار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار
نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں　　جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن　　عاشق تو قلندر رہیں نہ ہندو نہ مسلمان
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک شہر کا زردار　　آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہئے کر لیجئے بیوپار　　پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ وام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات　　یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں کیا یہ بودار مکانات　　اک اینٹ بھی ڈھونڈھے کہیں آنکی نہیں ہات
دالان نہ حجرہ نہ در و بام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں یہ پھولے　　یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول

آجاوے گی جب باد خزاں انکے اوپر پھول — ہر خاک کی ہر پھول کی اڑجاوے گی سب دھول
نے زرد نہ سرخ اور نہ یہ فام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ — آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے اللہ
وہ شخص کہاں جاتے رہے اے مرے اللہ — اس بات سے ہے صاف جواب تو یہی آہ
نہ عشق نہ عاشق نہ دلارام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

ٹک غور کر اب کہاں مجنوں کہاں فرہاد — لیلی کہاں شیریں کہاں وہ ناز و بیداد
جو پھول کھلے واہ وہ سب ہو گئے برباد — ہم تم بھی غنیمت ہیں اس دور پر آباد
واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

یہ شعر کو غزل اب جو بناتے ہیں زبانی — آگے بھی بہت چھوٹ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی — کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

خدا کی نعمتیں

یہ نعمتیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے — ہیں گی یہ سب عیاں اسی آدم کے واسطے
کچھ تن کے واسطے ہیں کچھ اشکم کے واسطے — ہیں بیش بیش کے لئے کم کم کے واسطے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

محبوب گل عذار پری زاد سرخ فام — مطرب شراب ساقی و مینا صراحی جام
ناز و ادا و چہچہے دولت کی دھوم دھام — مستی نشاط و عشرت و عیش و طرب مدام

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

اسباب عشرتوں کے ہیں جتنے یہاں نہاں — گلدان۔ پاندان عطردان زرفشاں
تختے بھرے چمکتے ہیں اور نیچے پیچواں — مشک و گلاب و عطر و چمن باغ و بوستاں

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

جتنے جواہرات ہیں سرخ و سفید لال — یاقوت لعل یمنی و نیلم فلک مثال
فیروزہ۔ مونگا موتی و پکھراج خوش خصال — زر سیم فوج حشمت و املاک و گنج و مال

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

میوے ہیں جتنے خشک و تر اس باغ میں لگے — بادام پستے داکھ چھوہارے و کھوپرے
خربوزے آم جامن و لیموں چکوترے — نارنگی و انار بہی کوسے سنگترے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

دنیا میں جتنے لوگ ہیں کیا شاہ کیا فقیر — سب سکھ میں ہیں پر ایک نہ اک دکھ میں ہیں اسیر

کیا عشرتیں بہار کی کیا عیش دلپذیر	جن جن کا تم نے نام لیا سب میاں نظیر
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آدہ فقط غم کے واسطے

آدمی

دنیا میں پادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی	اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی	نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال قطب غوث و لی آدمی ہوئے	منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کئے	اتنے کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا	شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا	یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہے نور	یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
ہے آدمی کا حسن ہیں اور قبح میں ظہور	شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں	بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
قرآن آدمی ہی پڑھیں اور نماز یاں	اور آدمی ہی اُن کی چراتے ہیں جوتیاں

جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی　　اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی　　چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال　　اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال　　سچّا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ　　قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ　　دوڑے ہیں آدمی ہی تو مشعل جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار　　اور آدمی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار　　کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس میں جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا　　اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا　　کس کس طرح سے بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور　　اور آدمی ہی دیکھ اُنھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر غلام آدمی اور آدمی مزور　　یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور اُس نے جو پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا
بدشکل بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں — روپے کے انکے پانوں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں — کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرتے ہیں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار — نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار — سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کے کاروبار
اور جو کہ مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر — یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کام دلپذیر
یاں آدمی مرید ہے اور آدمی ہی پیر — اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پیٹ

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لئے — سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لئے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لئے — پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لئے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لئے

عاجز ہیں اسکے واسطے کیا شاہ کیا وزیر — محتاج ہیں اسی کے لئے بخشی و امیر
منشی وکیل ایلچی منصدی و مُشیر — چاکر نفر غلام تونگر غنی فقیر

سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لئے

صراف خوردہ سے لگا بیٹھے ساہوکار دلال جوہری و کناری کے پیشہ دار
پنساری و بزاز اناجوں کا کاروبار بیوپار لین دین بنج قرض اور اُدھار
ہے سب نے ٹھگٹھکا یہ کیا پیٹ کے لئے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور سیکھے اُنھی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحاف جلد ساز ملمعی کمان گر زیں دوز گل فروش بساطی سفال گر
بیٹھے ہیں سب دوکان لگا پیٹ کے لئے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا جپتے ہیں کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے ظاہر کا دعا عابد بھی دعولوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لئے

گیلے بنے ساز کام کے اور کیا مرصع کار حکاک کیا مصور و نقاش زرنگار
دیکھا تو نہ سنار کوئی اور نہ اب لہار سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لئے

گندھی کے مغز میں بھی یہی رچ رہی ہے بو کھینچے ہے جب گلاب نکالے ہے عطر دو
شیشی کسی کو سینک کی بھوئے کسی کو دو ہر دم چھڑک گلاب لگا تن سے عطر کو
لپٹیں ہر ایک ہی کو سنگھا پیٹ کے لئے

رنگریز بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزار ہا سرخ و گلابی زرد و سیہ سبز دھاریا
مخمل ہے کوئی کوئی ہے مشروع کٹاریا جنگل میں جا کے دیکھا تو اس جا بھی نیاریا
نت خاک چھانتا ہے نیاریا پیٹ کے لئے

بدنام ہے اسی کے لئے خلق میں کلال — ذابح بھی کر رہے ہیں اسی کے لئے حلال
صیاد بھی اسی کیلئے لے چلا ہے جال — ٹھگ بھی اسی کے واسطے پھانسی گلے میں ڈال
ہر وقت گھونٹتا ہے گلا پیٹ کے لئے

نٹکھٹ اُچکے چور دغا باز راہ مار — عیار جیب کترے نظر باز ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار — کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلی بھی مارتی ہے چوہا پیٹ کے لئے

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر — وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور تبر
لڑتا ہے تیغ و تیر تفنگوں میں آن کر — کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تر بتر
آخر کو سر بھی دیتا ہے کٹا پیٹ کے لئے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے انتہا — عابد نجومی کا بھی اسی پر ہے مدعا
ملّا بھی دن گزارتے ہیں لڑکے پڑھا پڑھا — شاعر بھی دیکھئے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف دنیا پیٹ کے لئے

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ — مفتی کے فتوے کی بھی یہ شاہد ہیں خواہ مخواہ
بید اور حکیم کی بھی اسی پر ہے اب نگاہ — عطار کے بھی درد کو دیکھا تو وہی آہ
دن رات کوٹتا ہے دوا پیٹ کے لئے

قرآن اب جو پڑھتے ہیں سو وہ دن کا ایک نام — پھولوں پہ ختم کرتے ہیں بیچ آیتیں تمام
دوزخ میں یا بہشت میں مردے کا ہو مقام — کچھ ہو پر ان کو حلوے و مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے جب اُن کو ملا پیٹ کے لئے

اُلفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے بیر — مانے کوئی حرم کو کوئی پوجتا ہے دیر

کھانے کی ساری دوستی کھانے کی یاری سیر — کہتا ہے اب فقیر بھی دیگر دعائے خیر
بابا کچھ آج مجھ کو دلا پیٹ کے لئے

لاکھوں میں کوئی لے ہے محبت سے حق کا نام — ورنہ سب اپنے پیٹ کے ہیں کلمے اور کلام
نہ عاقبت کی فکر نہ راہِ خدا سے کام — سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانا ہے کچھ حرام
جو جس سے ہو سکا سو کیا پیٹ کے لئے

جتنے ہیں اب جہان میں کم ذات یا اصیل — سب اپنے اپنے پیٹ کی کرتے ہیں قال و قیل
شیر و پلنگ گرگ ہرن چیونٹی و فیل — کوا بٹیر ہنس تیتر باز گدھ و چیل
سب ڈھونڈتے پھرے ہیں غذا پیٹ کے لئے

جس کا شکم بھرا ہے وہ ہنستا ہے جیسے پھول — خالی ہے جس کا پیٹ وہ روتا ہے ہو ملول
جب تک نہ اس کے پیٹ میں پڑے آکے خاک دھول — سوجھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لئے

زردار مالدار گدا شاہ کیا وزیر — سردار یا غریب تونگر ہو یا فقیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی حال میں اسیر — اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لئے

آٹا دال

آٹے کے واسطے ہے ہوس ملک و مال کی — آٹا جو پالکی ہے تو ہے دال نالکی
آٹے ہی دال سے ہے درستی جمال کی — اس سے ملی ہے خوبی جو ہے حال قال کی
سب چھوڑ دو بات طوطی و پدڑی و لال کی

یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

اس آٹے دال ہی کا جو عالم میں ہے ظہور | اس سے ہی منھ پہ نور ہے اور پیٹ میں سرور
اس سے ہی آکے چڑھتا ہے چہرہ پہ سب کے نور | شاہ و گدا امیر اسی کے ہیں سب فرور
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

قمری نے کیا ہوا جو کیا حق سرہ | اور فاختہ بھی بیٹھ کے کہتی ہے قہقہو
وہ کھیل کھیلو جس سے ہو تم جگ میں سرخرو | سنتے ہو اے عزیز و اسی سے ہے آبرو
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

آٹا ہے جسکا نام وہی خاص نور ہے | اور دال بھی پری ہے کوئی یا کہ حور ہے
اسکا بھی کھیل کھیلنا سب کو ضرور ہے | سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

کچھ پیسو گے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے | تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
طوطی کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے | ناحق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

جن کے ہیں چار پیسے وہی ہیں یہاں امیر | اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ ہیں بڑے فقیر
اور جتنے پیشہ ور ہیں یہاں خرد اور کبیر | روٹی کا سلسلہ ہے برا کیا کہوں نظیر

سب چھوڑ دیا [illegible] طی و یاری [illegible]
یارو دیکھو اپنی فکر کرو آٹا دال کی

آٹا دال

کیا کہوں یارو میں نقشہ خلق کے احوال کا — اہل دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا — کیا تونگر کیا غنی کیا پیر اور کیا بال کا
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدِ راہ — تو نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ — جا بجا گڑھ کوٹ میں لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں — منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
جاگتے دربار میں کیوں آدمی آٹھ پہر یاں — کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کہئے میاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے — حسن کی آن و ادا سب اس کے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منہ زرد ہے — تا کجا کہئے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دلبروں کے چشم ابرو زلف کیا خط خال ہے — ناز کی شوخی ادا میں حسن لاکھوں لال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر کیا ٹھمکتی چال ہے — غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو آٹا دال ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنہیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر — وہ تو بے پروا انہی داتا ہیں آپی دل پذیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر — ان غریبوں کی ہی اب یہ شکل ہو گی اے نظیر
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

روٹی

جس جا پہ ہانڈی چولہا توا اور تنور ہے — خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے — جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام — یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
واں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام — اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انہیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور — آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور — ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے — یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے — ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اس نے کہیے یہ ہے دل کا نور کیا — اس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا — کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا

جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی جو آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے　　گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آ کے ڈھل گئے　　چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے
یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو　　میلے کی سیر خواہش باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو　　سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب آگے جس کے مال پوے بھر کے تھال ہیں　　پورے بھگت انھیں کہو صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں　　عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں
پکی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے　　لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے　　سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا　　اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے ناچتا　　اور اس سوا جو غور سے جاتا ہے جابجا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے　　یا دشمنی و دوستی یا تند خوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے　　سب کوئی ہے اوسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر　　روکھی ہی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر　　گیہوں جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

کوڑی

کوڑی ہے جنکے پاس وہ اہل یقین ہیں　　کھانیکو ان کے نعمتیں سو بہترین ہیں
کپڑے بھی ان کے تن میں نہایت مہین ہیں　　سمجھیں ہیں وہ جو اسکو بڑے نکتہ چین ہیں
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی بغیر سوتے تھے خالی زمین پر　　کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین اوپر
ٹیکے سنہرے بندھ گئے جامونکی چین پر　　موتی کے مچھے لگ گئے گھوڑوں کی زین پر
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی چاہتی ہے سدا بادشاہ کو　　کوڑی ہی تھام لیتی ہے فوج و سپاہ کو
لے کر چھڑی رومال گدا بھی نباہ کو　　پھرتا ہے ہر دکان پہ کوڑی کی چاہ کو
کوڑی کے اس جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو　　رتھخانہ فیلخانہ طویلا کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو　　کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

کوڑی کے اس جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے — آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
باں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے — جو جان دے گزرتے ہیں کوڑی کے واسطے
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے — شرم و حیا اٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک چھان آتے ہیں کوڑی کے واسطے — مسجد کو دھم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی تھیں جو تیل کی باسی بگڑیاں — کوڑی ہوئی تو تھپنے لگیں لمبی چوڑیاں
یوں خلق دوڑی مکھیاں جوں گڑ پہ دوڑیاں — خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

خاصے محل اٹھاتے ہیں کوڑی کے زور سے — پکے کنوئیں کھداتے ہیں کوڑی کے زور سے
پل اور سرا بناتے ہیں کوڑی کے زور سے — باغ و چمن لگاتے ہیں کوڑی کے زور سے
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

ے مفلس اور فقیر سے تا شاہ اور وزیر — کوڑی وہ دلربا ہے کہ ہے سب کے دلپذیر

دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان پیر   کوڑی عجب ہی چیز ہے میں کیا کہوں نظیر
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

مفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی   کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی   بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہئے نواب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان   تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خان
مفلس ہوئے تو حضرتِ لقمان کیا ہیں یاں   عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا یہاں
حکمت حکیم کی بھی ڈُوباتی ہے مفلسی

جو اہلِ فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں   مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں   وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آن کے محفل کے بیچ حال   سب جانے روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اسنے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال   مفلس میں ہو دیں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار   مفلس کو دیویں ایک تونگر کو چار چار
گر مانگے اور وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار   اس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار

مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر | دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر | جسطرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ | مفلس کرے ہے اسکے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ | کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی | پھر جتنے گھر میں ست تھی اُسی گھر کے در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی | ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردہ گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور غل مچائے | مفلس بغیر غم کے کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اٹھائے | اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں وائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں | جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں | پیدا نہ ہو دیں جتنے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے | کپڑے میاں کے بنئے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے | زنجیر نہ کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے — سب رنگ دم میں کر دے مصوّر کے گھر کرے
صورت کو اُسکی دیکھ کے مُنہ کھینچ لے پرے — تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اُس کے تو مُنہ کا رنگ اُڑاتی ہے مفلسی

جب خوبرو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ — پھرتا ہے بوسے دیتا ہر اک کو وہ خوانخواہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اسکی چاہ — گر حسن ہو ہزار روپے کا تو اس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی

اس خوبرو کو کون دے اب دام اور درم — جو کوڑی کوڑی بوسے کو راضی ہو دم بدم
ٹوپی پرانی دو، تو وہ جانے کلاہِ جم — کیونکر نہ جی کو اُس چمنِ حسن کے ہو غم
جس کی بہار مفت لٹاتی ہے مفلسی

عاشق کے حال پر بھی جب آ مفلسی پڑے — معشوق اپنے پاس نہ دے اس کو بیٹھنے
آوے جو رات کو تو نکالے وہیں اُسے — اس ڈر سے یعنی رات کو ایذا کہیں نہ دے
تُہمت یہ عاشقوں کو لگاتی ہے مفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی ہو کوئی خوشجمال — جب مفلسی کا آن پڑے سر پہ اسکے جال
دیتے ہیں اسکے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال — ناچے ہے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اس کو انگلیوں پہ نچاتی ہے مفلسی

اُسکا تو دل ٹھکانے نہیں بھاؤ کیا بتائے — جب ہو پھٹا دوپٹہ تو کاہے سے مُنہ چھپائے
وہ شام سے لے صبح تلک گو کہ ناچے گائے — اوروں کو آٹھ سات تو وہ دمڑی ہی پائے
اس لاج سے اُسے بھی لجاتی ہے مفلسی

جس کا کہ ہو گیا ہو فلاکت سے دل حزیں — رکھتا ہے اس کو جب کوئی آ کر + +

اک پون پیسے تک بھی وہ کرتی نہیں نہیں　　یہ دُکھ اسی سے پوچھے کہ اب آہ جسکے تئیں
+ + + میں ساری جگاتی ہے مفلسی

وہ تو یہ سمجھی دل میں کہ دھیلا جو پاؤنگی　　دمڑی کے پان دمڑی کی مسّی منگاؤنگی
باقی رہے چھدام سو پانی بھراؤں گی　　پھر دل میں سوچتی ہے کہ کیا خاک کھاؤنگی
آخر چبینا اس کو چبانی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اداس　　پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس　　گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھیاس
یاں تک حواس اس کے اُڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول　　پیسا کہاں جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا ڈھول　　گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اسکی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بیاہی نہ ساتی ہے　　نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے　　بیٹا بنا ہے دولھا تو بابا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا　　شُہدا زنانہ ہیجڑا اور بھاٹ منڈچڑا
گھیرے ہوئے اسے چلے جاتے ہیں جابجا　　وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چلا
اور پیچھے تھپڑیوں کو بجاتی ہے مفلسی

دروازے پر زنانے بجاتے ہیں تالیاں　　اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہیں گالیاں
مالن گلے کی ہار ہو دوڑے لے ڈالیاں　　سقا کھڑا سناتا ہے باتیں رذالیاں

یہ خواری اور خرابی دکھاتی ہے مفلسی

کوئی شرم بے حیا کوئی بولا نکھٹو ہے　　بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ بابا نکھٹو ہے　　بی بی یہ دل میں کہتی ہے بجڑ وا نکھٹو ہے
آخر نکھٹو نام دھراتی ہے مفلسی

مفلس کا درد دل بھی کوئی ٹھانتا نہیں　　مفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں　　صورت بھی اسکی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اس کو گراتی ہے مفلسی

جس وقت مفلسی سے یہ آکر ہوا تباہ　　پھر کوئی اس کے حال پہ کرتا نہیں نگاہ
والیدری کہے کوئی ٹھہراوے روسیاہ　　جو باتیں عمر بھر نہ سنی ہوویں اُس نے آہ
وہ باتیں اس کو آکے سناتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے　　پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نہ رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بیحجابی ہے　　مفلس کی جورو سچ ہے کہ یاں سب کی بھابی ہے
عزت سب اسکے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل　　کوئی گدھا کہے اسے ٹھہرا دے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل　　منھ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے　　جو آشنا ہیں ان کی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے　　شرم و حیا و غیرت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی　　وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی　　تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اُٹھا　　باپ اسکا دیکھے ہاتھ کا اور پانوں کا کڑا
کہتا ہے کوئی جوتی نہ لیوے کہیں چُرا　　نٹ کھٹ، اُچکا، چور، دغا باز، گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو　　سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اُسکی کھپاتی ہے جان کو　　چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیکھ منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یار و فقیر　　خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر　　کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
وہ جانے جس کے دلکو جلاتی ہے مفلسی

آگرہ آباد

شہرِ سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں　　کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں　　ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اسکو تو آباد جاوداں

ہر صبح اسکی رکھتی ہے وہ نور گستری　　شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارضِ پری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سی ہے بھری　　لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری

دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پر بہار عمارات زرنگار — بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دلفریب و گل اندام و گلعذار — کلیاں کھلیں ہیں آپکو گلزار پُر بہار
کوچے لگے ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے — دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ایدھر کو قہقہے ہیں تو اودھر کو چہچہے — اشجار باغ و شہر میں سر سبز لہلہے
سبزی کو جن کی دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوجات — دیکھے تو پھر نبات سے کچھ ادے ہیں نہ بات
شہد انپہ آٹھ پہر لگائے رہے ہے گھات — قند و شکر بھی دل سے فدا ہوں دن اور رات
رہتے ہیں انکے وصف میں ہر دم شکر فشاں

بحر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر — لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جسکی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھوئے شاد بہر — اس پہ ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیڑ نے کا کروں وصف میں رقم — تو بحر صفحہ بیچ لگے بہنے قلم
پیڑے ہیں اس روش کی بہا انکی ہے بہم — سو سو چمن نکھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل تنا جو کرتے ہیں سو سو طرح ثنا — لہریں نشاط و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنارہ کچھ عشرت کے بحر کا — ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحر بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ عجیب ہے مقام　　رہتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام
ہر طور دل رہے ہے خوش اور طبع شاد کام　　بیری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

آگرہ کی ککڑی

پہنچے نہ اسکو ہرگز کابل درے کی ککڑی　　نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نے ورے کی ککڑی　　نے دکھن اور نہ ہرگز اس کسبے کی ککڑی
کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں　　گنّے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں　　مجنوں کی سرد آہیں لیلی کی انگلیاں ہیں
کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زردی مائل کوئی ہری بھری ہے　　یکھرا جو منفعل ہے پیٹے کی تو ٹھہری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو جوڑی وہ ہیر کی ہری ہے　　سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھا کی بانسری ہے
کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھوئے ہیں برگ گل سے کھا نہیں گزرتی ہے　　گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے　　ککڑی نہ کہیئے اسکو گاہی نہیں پڑی ہے

کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اسکی ایسی نازک جوں لف پیچ کھائی — بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا گرائی
دیکھ اسکی ایسی نرمی باریکی اور کلائی — آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی — پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
دل تو نظیر غش ہے یعنی منگائے ککڑی — ککڑی ہے یا قیامت کیا کہئے ہائے ککڑی

کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کورا برتن

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی — جس سے کھلتی ہے ہر کلی بن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی — کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات — قطرہ قطرہ ہے جسکا آب حیات
کورے برتن میں جبکہ آیا بات — پھر تو آب حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے　　وہی آنتے کی مول کولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے　　کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات تورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں　　ہم نے پانی کی بولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی کٹھولیاں باندھیں　　دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیوں پہ دیکھ کر لوٹا　　دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا　　جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں　　کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں　　جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجر ہے　　جس کی جاگیر ملک جھجر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے　　ناش کمخواب یا مشجر ہے

تازگی جی کی اور ترے تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے — موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے — دوستو یہ بھی بات مانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں — یا کسی کے عزیز مرتے ہیں
جبکہ لا پھول پان دھرتے ہیں — وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جبکہ ان کو گڑھتے ہیں — بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوزوں پر پھول ہار چڑھتے ہیں — حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوزوں پر جو نظیرؔ جوبن ہے — جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے — وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز　　کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز　　جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش اس میں دھر　　تاکہ سینہ ہو خنک سردی میں ٹھنڈا ہو جگر
کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر　　کتنے بیجوں کو ٹھنگتے ہیں خوشی ہو ہو کر
کتنے کھاتے ہیں اغایت سے منگا کر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لئے　　ہونٹ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کر کر بجتے
شب کو دو چار منگا کر جو تراشے میں نے　　کیا کہوں میں کہ مٹھائی میں وہ کیسے نکلے
کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دیکر پیسا　　اس کے ٹانکے جو لگائے تو وہ کچا نکلا
دیکھ تیوری کو چڑھا ہوئے غضب طیش میں آ　　کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا
کیوں بے لایا ہے اٹھا کر یہ ہرا سر تربوز

جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہے کچا　　اور کچا ہے تو میں پیٹ میں میٹھا تو نہ تھا
اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا　　لاٹھی پائی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا
کھینچ مارا مرے سینہ پہ اٹھا کر تربوز

تل کے لڈو

جاڑے میں پھر خدا نے کھلوائے تل کے لڈو ہر ایک خوانچے میں دکھلائے تل کے لڈو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈو ہمکو تو ہینگے دل سے خوش آئے تل کے لڈو
جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈو

عمدوں نے سوطرح کی یاقوتیاں اُڑائیں لوگوں نے دارچینی شکر میں لے ملائیں
سردی میں دولتوں نے ہر گرم چیز کھائیں اوروں نے ڈال مصری گرپنیڈیاں بنائیں
ہمنے بھی گڑ منگا کر بندھوائے تل کے لڈو

رکھ خوانچے کو سر پر پکار یوں پکارا بادام بھونا چاہو اور گڑ گڑا چھوہارا
جاڑا لگے تو اسکا کرناہوں میں اجارا جس کا کلیجہ یارو سردی نے ہووے مارا
نو دام کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈو

جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلوان جھجھاڑا ہر ایک تل نے اسکو رگ رگ سے ہے اکھاڑا
جسدم دل و جگر کو سردی نے آ لتاڑا خم ٹھوک وونہیں ہم نے جاڑے کو دھر پچھاڑا
تن پھیر ایسا بھیگا جب کھائے تل کے لڈو

جاڑے میں جسکو ہر دم پیشاب ہے ستاتا اٹھیں تو جاڑا لپٹے ہے موت نکلا جاتا
اُن کی دوا بھی پوچھو کوئی حکیم سے جا بتلائے کتنے نسخے پر ایک بن نہ آیا
آخر علاج اُس کا ٹھہرائے تل کے لڈو

کنکوے اور پتنگ

یاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا — ٹھہرے ہے ہر مکاں میں بنانا پتنگ کا
ہوتا ہے کتنوں سے منگانا پتنگ کا — کرتا ہے شاد دل کو اڑانا پتنگ کا
کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

اڑنا دو باز کا ہے وہ شوخی کی دستگاہ — دیکھے تو باجھے کو تو ہو اس کی دل سے چاہ
شکرے کی باز آوے نہ اس جا کبھی نگاہ — بہری کو بھی دیکھ یہ کہتی ہے واہ واہ
ایسا ہے ناز حسن دکھانا پتنگ کا

ہر لحظہ اس بہار سے اڑتا ہے للسرا — بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل کے اڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا — گھائل جو عشق کے ہیں وہ کہتے ہیں برملا
ہے دل میں خوب شوق بڑھانا پتنگ کا

اڑنا لنگوٹیے کا ہے ایسا کچھ ارجمند — گوشے سے دیکھنے جسے آوے لنگوٹ بند
اور چاند تارے کی بھی چمک چاند سے دو چند — اڑنا پہاڑئے کا بھی ہے اس قدر بلند
اکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا

بگلے کے اڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار — مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کو بے قرار
پنے کے مول کا بھی دو پنا ہے خوش نگار — ڈھیر بھی اب لگنے کو چڑھاتا ہے بار بار
چنچل بن اس قدر ہے جتانا پتنگ کا

اڑنا گلہڑیے کا بھی میں کیا کروں بیاں — دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلہریاں
اور ہے دو دھاریے کی بھی کچھ اور آن بان — حیراں ہو جس سے تیغ نگاہ پری رخاں

پھر کس طرح نہ دل ہو دوانا پتنگ کا

اڑتا ہے اس طرق سے وہ ہے جو مانگ دار   ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کے نثار
خربوزیئے کی کانپ کا جھکنا یہ لال دار   اور پنیدی پان کی بھی کچھ اس طور کی بہار
گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا

یمنا بھی اپنی دیتا ہے جس وقت خوبی کھول   نکلے ہیں واہ واہ کے ہر اک زباں سے بول
اور ہے دو کوئیے کی اک اک ادا امول   اُڑتا ہے کلسرے میں بھی شیراز یوں کا غول
جیدھر ہے نوک جھوک دکھانا پتنگ کا

چیلکے بھی وصف کر نہیں سکتا رہوں میں کیا   شرمندہ ہو کبوتر چپ جس سے دا ٹما
غائب ہے لکڑی اڑنے پہ لنگڑی کا مرتبہ   چوکنی چنچلیں ہیں اُڑے جبکہ چوکھڑا
اس زور سے ہوا پہ ہے جانا پتنگ کا

پتلی کمر کو موڑے ہیں جس وقت کجکلاہ   باہیں دراز کرتے ہیں لپ جھپیے خوامخواہ
یہ شکل دیکھ کر کوئی کہتا ہے واہ واہ   اب اس طرف لڑے گی بھلا کاہے کو نگاہ
دل میں تو کھپ رہا ہے لڑانا پتنگ کا

لاتا ہے پھیر پھار کے شکل جو اپنی داں   کہتا ہے کوئی ان سے خبردار او میاں
اب پیچ پڑنے کو ہیں نہ دے اتنی ٹھمکیاں   گھبرا کے کٹ نہ سکے نہ کھینچے دو میری جاں
اچھا نہیں ہے مفت کٹانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں دیکھیو   رہ رہ اسی طرح سے نہ اب کیجئو ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں اد میاں رکھو   پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کٹتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اسے　　دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے　　جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر پڑے
پھر سوچئے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہے دلپذیر　　ہوتے ہیں دیکھ شاد اسے خرد اور کبیر
کیونکر نہ دل پتنگ کی ہو ڈور میں اسیر　　خوباں کے دیکھنے کے لئے کیا یہاں نظیر
ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانہ پتنگ کا

برسات

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا　　بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں کا مینھ بھی آ کے سراسر پھسل پڑا　　چھتا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکاں اور محلسرا　　ان کی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بجا
دیواریں بیٹھتی ہیں ہے چھتوں کا غل مچا　　لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہے کھڑا تو کیا
چھجا گرا منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آ کے جھڑ لگا　　سنئے جدھر ادھر کو دھڑا کے کی ہے صدا
کوئی پکارے ہے مرا دروازہ گر چلا　　کوئی کہے ہے ہائے کہوں تم سے اب میں کیا
تم در کو جھیکتے ہو مرا گھر پھسل پڑا

باراں جب آ کے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے　　کچا مکاں پھر اسکی بھلا کیونکہ تاب لائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں وائے وائے　　کہتے ہیں یار دوڑیو جلدی سے ہائے ہائے

پاکھے چھپت سو گئے چھپر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے لگی زمیں — نکلے جو گھر سے اسکو پھسلنے کا ہے یقیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں — گیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمین کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر ندھر کو یہی غل پکار ہے — کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
پیادہ اُٹھا جو گر کے تو پھر اسوار ہے — گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی رپٹا اونٹ گرا خر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا — کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا — اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر یہ پھسل پڑا

طفلی

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے
ہر آن آنچلوں کے معمور تھے کٹورے
پانوؤں میں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلے ڈورے
یا چاند سی ہو صورت یا سانولے و گورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے
گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے

ماں باپ ان کی خدمت سر پر قبولتے تھے
ہاتھوں میں کھیلتے تھے جھولے میں جھولتے تھے
کیا سیر دیکھتے تھے یہ طفل شیر خورے

نے دوستی کسی سے نے ان کے دل میں کینا
جانیں نہ بے قرینہ نے سمجھیں کچھ قرینا
نے گرمیوں سے واقف نے جانتے پسینا
چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش اُن کو دودھ پینا
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

جو دیکھے ان کی صورت لے پیار سے کھلاوے
ہاتھوں اوپر اُچھالے اور چھیڑ کر ہنسا دے
چومے کبھی دہن کو چھاتی کبھی لگا دے
کوئی چسنی منہ میں دیوے کوئی جھنجھنا بجا دے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی ان کا کرتا نکالتا ہے
یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنبھالتا ہے
ماں دودھ ہے پلاتی اور باپ پالتا ہے
نانا گلے لگاوے دادا اُچھالتا ہے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہے عزیزو اور کیا یہ وقت ہوگا

جب گھٹنوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
پانوؤں چلے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا
سب زندگی کا حظ ہے ان کو نظیر ا ہا ہا
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیرخوارے

طفلی

کیا دن تھے یار وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے　　نکلے تھی دائی لیکر پھرتی کبھی ددا لے
چوٹی کوئی رکھالے بدھی کوئی پنہالے　　ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھالے
موٹے ہوں یا کہ دُبلے گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مر جائے کوئی تو بھی کچھ اس کا غم نہ کرنا　　نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا　　جس بات پر یہ مچلے پھر وہ ہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو با با پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوڑتے ہیں　　گڑ بیر مولی گاجر سب منہ میں گھوٹتے ہیں
با با کی مونچھ ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں　　گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا تو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو ان کو دو سو کھالیں پھیکا ہو یا سلونا　　ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا

جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہے اُن کو سونا   پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہئے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے پھر کی کوئی نچالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے   یہ عمر وہ ہے اسمیں جو ہے وہ بادشا ہے
اور سچ اگر چہ پوچھو تو بادشا بھی کیا ہے   اب تو نظیر میری سبکو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

شب برات

کیونکر کرے نہ اپنی نموداری شب برات   چلپک چپاتی حلوے سے ہے بھاری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شب برات   مردوں کی روح کی ہے مددگاری شب برات
لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکر کا جنکے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں   گڑ کا ہوا ہے جس کے وہ ان سے ادھورے ہیں
شکر نہ گڑ کا جنکے وہ پرگٹ لنڈورے ہیں   اور انکے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
اُنکی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ساری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے   قندوں کے حلوے روغنی نانیں نئے گھڑے
پہونچانے خوان پھرتے ہیں نوکر کئے پڑے   زندے بھی راہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے
ان خوبیوں کی رکھتی ہے طیاری شب برات

ٹھلیاں چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے   ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے

کالے سے گڑ کی لپٹی کڑھی کے مثال ہے　　پانی کی ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے
کرتی ہے ایسی دکھیا پسنہاری شب برات

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنا کہ فاتحہ　　دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ　　حلوائی کی دُکان پہ دادا کی فاتحہ
یاں تک تو ان پہ لاتی ہے لاچاری شب برات

ملا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں　　حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں
مفلس کوئی بلا دے تو مُنھ کو چھپاتے ہیں　　شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں اہا ہاری شب برات

جوڑے سے لٹو تو بڑے ہر دم بنا کے جو　　حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اس سے تلخ ہو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو　　چھپر جلاؤ گے تو دلاوے گی صبح کو
تم سے چبوترے میں گنہگاری شب برات

گھنچکر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں　　ڈونڈے ہوائی سنگ کہیں اڑ اڑ کے آتے ہیں
زمپٹ زمیپٹ پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں　　لڑکوں کے باندھ غول کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتے ہیں پھر تو ایسی دھنوا دھاری شب برات

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی　　اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی　　پانوؤں سے لپٹے شور مچا کر قلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں جھلس گئیں　　چھاتی کسی کی جل گئی باہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بچی کسی کی تو رانیں جھلس گئیں　　مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں جھلس گئیں

رکھے کسی کی ڈاڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دلمیں سمجھتا ہے اپنے غیر　　کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنے بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر　　یارب تو سبکی کیجئے برس ابرس کی خیر

بے طرح کر رہی ہے نمود اری شب برات

دِوَالی

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا　　ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا　　کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا

عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہان میں بھی عجب طرح کا ہے یہ تیوہار　　کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونوں کھیلوں بتاشوں کا گرم ہے بازار　　ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دُکانیں لگا کے حلوائی　　پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاشے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی　　کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی

گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

فقط حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار　　انھوں نے کھایا اسی دن کے واسطے ہی اُدھار
کہے ہیں ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک بار　　دوالی آئی ہے سب جلائینگے اے یار

خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی　　جلا چراغ خوشی ہے پھر وہ جھنکائی

اصل جواری تھے انہیں تو جان سی آئی خوشی سے کودا اچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے یار گنڈے کی پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی تو آگ لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانگی موٹھ نے مارا کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا
یہ شور آ کے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کے جورو کہے ہے پکار دے بھڑوے بہو کی نوکری بیٹی کے ہاتھ کے کھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کہیں ہیں سو گھڑ کے نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے
خدا نے تجھ کو ہے شہدا کیا دوالی کا

وہ اسکے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے ماروں گا ترا جو گہنا ہے سب تار تار اتاروں گا
حویلی اپنی تو ایک داؤ پر میں ہاروں گا یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے مجھ کو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواری ہے
تو اس نے جورو کی نتھ اور ازار اتاری ہے ازار ہی نہیں جورو تلک بھی ہاری ہے

سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے — تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے ان پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے — اور ان میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے ان کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ انکو جانیو یارو — نصیحتیں ہیں انھیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جائیو قصہ بکھانیو یارو — جو جواری ہو نہ بُرا اسکا مانیو یارو
نظیرؔ آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

اژدہے کا بچا

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچا — اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچا
مینا ۔ بیا ۔ لٹورا اور ابلقے کا بچا — تیتر ۔ بٹیر ۔ سارس ۔ شکرے ۔ لوے کا بچا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچا

کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے پلاؤ قلیا — یارو کھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دلیا
پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من کی ڈلیا — اب کوئی آگرے میں ایسا نہیں ہے بلیا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچا

جب بیچتے تھے یارو ہم اژدہا پرانا — سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہمکو کھانا
اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھانا — اک بچا روز لانا اور روز بیچ کھانا

سب بیچتے ہیں یارو چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

گاہک نہ کوئی بولا ہے یہ ہوا زمانہ — آج اس کو سر پہ رکھ کر سب شہر اپنا چھانا
اب بھی بِکا تو بہتر نہیں پھر پڑیگا لانا — ہے اس سے ہی ہمارے نت رزق کا ٹھکانا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کر لیجاویں — تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
کچھ بن نہیں جو آتا یہ دُکھ کسے سناویں — جی چاہتا ہے اب تو ہم شہر چھوڑ جاویں
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

سو من گیہوں کا ہر دم کھانا کہاں سے آوے — اور سو پکھال پانی کب تک کوئی پلاوے
جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے — شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہیں کسالے — ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ڈھالے
جب تنگ ہووے روزی کون اژدہے کو پالے — اس کی بھی اور ہماری یارو خبر خدا لے
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

لو دس ہزار تنک تو چھوٹے امے نہ دینگے — اتنے روپے تو ایسے اجگر کے ہم نہ لینگے

ستر ہزار تک بھی سودا نہیں کرینگے　　اسّی ہزار دیگا تو ہم بھی دے سکیں گے
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لواڑ دھے کا بچّا

آگے تو گھر بہ گھر تھے اکثر تمام داتا　　سیمرغ پالتے تھے کرتکو نام داتا
اپنے تو ہرگز آیا کچھ بھی نہ کام داتا　　سچ ہے نظیر آخر اجگرکے رام داتا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لواڑ دھے کا بچّا

ریچھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچّا　　لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچّا
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچّا　　جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچّا
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچّا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا　　لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا　　بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچّا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر　　ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر　　وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچّا
جُھکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس میں کرنھول　　مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول

اور اُن کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل کھول   یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچّا

تھیں ایک طرف سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں   اک طرف کو تھیں پیر جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی ڈکاریں   غل شور مزے بھیڑ ٹھٹھ انبوہ بہاریں
جب ہمنے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچّا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ مچھندر   اب کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم اُنسے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر   ہاں چھوڑ دیا بابا اُنھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدانے یہ دیا ریچھ کا بچّا

مدت میں اب اس بچے کو ہمنے ہے سدھایا   لڑنے کے سوا ناچ بھی اسکو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈفلی کے تئیں گت پہ بجایا   اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچّا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں آہ   پھر گھروا ناچا تو ہر اک بولی زباں آہ
ہر چار طرف سے تھے کہے پیر و جواں آہ   سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں آہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچّا

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد   کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
پر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد   اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے استاد
تو بھی جیئے اور تیرا سدا ریچھ کا بچا

پھر ہم نے اٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا   خم ٹھونک پہلواں کی طرح لڑنے کو آیا
لپٹا وہ تو کشتی کا ہنر آن دکھایا   وہ چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا

ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچا

پھر کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا ۔ للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا ۔ اک ڈیرہ سا پھر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچا

ان داؤں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر ۔ یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
سب نقد ہوئے آنکے سوا لاکھ روپے ڈھیر ۔ جو کہتا تھا ہر اک سے اسی طرح سے مُنھ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچا

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ اہا ہا ۔ اسکے تمھیں استاد ہو واللہ اہا ہا
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہا ہا ۔ کیا کہئے غرض آہ خوش اے واہ اہا ہا
ایسا تو نہ دیکھا نہ سُنا ریچھ کا بچا

جسدن سے نظیر اپنے تو دل شاد یہی ہیں ۔ جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد یہی ہیں ۔ کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد یہی ہیں
کل چوک میں جنکا تھا لڑا ریچھ کا بچا

گلہری کا بچّا

لئے پھرتا ہے یوں تو ہر بشر بچہ گلہری کا ۔ ہر اک استاد کے رہتا ہے گھر بچہ گلہری کا
ولیکن ہے ہمارا اس قدر بچہ گلہری کا ۔ دکھا دیں ہم کسی لڑکے کو گر بچہ گلہری کا
تو دم میں لوٹ جاوے دیکھ کر بچہ گلہری کا

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی ہی ہیں بن ٹھن ۔ کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھٹے زلف کی ناگن

۱؎ یہ نظم جیسی سنی گئی ویسی ہی لکھی گئی۔ اس میں شاعری کے عیوب ہیں۔

کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن   گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں بھر بچا گلہری کا

کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک دن یارو   کہ دیکھے گھر بلا کر عشق بازوں کے ہنر کو دو[1]
کہا اس نے کہ ہاں اس ڈھب کے استاد ڈھونڈ کو لے آؤ[2]   سو نوکر اسکا سب میں ڈھونڈ چن کر لے گیا ہم کو
نہ تھا ہم پاس اس دم کچھ مگر بچا گلہری کا

وہ دیکھے تو بری صورت برا حال اور پھٹے کپڑے   بڑھے ڈاڑھی کے بال اور زرد منہ آنکھوں میں آنسو ہے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ ڈھڑ کے انگرکھے کے   وہ کپڑے گو پھٹے تھے پر ہم اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچا گلہری کا

جونہیں اتنے میں ہم کو اس برے احوال سے دیکھا   کہا اسنے کہ کچھ فن ہوگا انکے کس طرح بچا
نظر سے اسکی ہم نے جب تو دل اس بات کو تاڑا   کمر کو دیکھ ڈھونڈی جیب پگڑی کو ٹٹولا سجا
وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈ ڈھکر بچا گلہری کا

کہیں بیٹھا ہوا تھا واں برس بارہ کا اک لڑکا   وہ گورا گدگدا بچا پری سا چاند کا ٹکڑا
جونہیں اسنے وہ بچا آہ یارو اک نظر دیکھا   تو لٹو ہو کے یوں بولا یہی لونگا یہی لونگا
بٹھا دو جلد میرے ہاتھ پر بچا گلہری کا

یہ کہکر بے قراری سے وہ لڑکا شوق میں غش ہو   وہیں گھبرائے آ پہونچا جہاں ہم تھے کھڑے یارو
لگا سو منتوں سے مانگنے وہ یہ تو ہم کو دو   وہ باپ اس کا پکارا ہاں نکالو جلد لیے انکو
غضب جادو کا رکھتا ہے اثر بچا گلہری کا

۱۔ متقدمین "دہ" کو "دو" نظم کرتے تھے۔
۲۔ نقل مطابق اصل۔

بلبلوں کی لڑائی

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
اس میں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑ آئی دائیں بائیں
کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا واہ سائیں
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یار و کل بلبلیں لڑائیں

دو میں تو دونوں کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے گڈا
جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا تگڈا
خلقت بھی آ کے لوٹی چھوڑ اپنا اپنا اڈا
کڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یار و کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اس میں چھوڑا
اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ بھیڑ کا آ کر ان کشتیوں کا کوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
اک کنکری جو ماری پڑھ ہم نے پھر فسوں کی
کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سن سن کے چیخیں ان کی لڑنے میں غٹرغوں کی
سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھوں کی
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

سن سن وہ چیخیں ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں
کوّے پکارے غاں غاں چیلیں بھی چلچلائیں
سارو، بٹیر، مینا، چمگادریں بھی آئیں
مرغوں نے ککڑوکوں کی کلکلیاں پھر پھرائیں
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے آکر کل بلبلیں لڑائیں

چلّائے مور سارس اور پھڑ پھڑا کے گھگھو
گدھ اور چیل دھاڑے اور پھڑ پھڑا کے الّو
کتّے بھی بھوں کے بھوں بھوں گیدڑ پکارے ہو ہو
کھڑ دے گدھے بھی رینکے کر اپنی ڈھینچوں ڈھینچوں
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

جب لے چلے وہاں سے ہم بلبلوں کا لشکر
سب لوگ ہنس کے بولے اسدم دعائیں دیکر
سب میں میاں نظیر اب تم ہو بڑے قلندر
یہ کھیل آگرے میں اب ختم ہے تمھیں پر
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے آکر کل بلبلیں لڑائیں

بودے اور ارنے کی لڑائی

اک بودے کا حال عجب سننے میں آیا | تھا گھونسلا اک پیڑ اوپر اُس نے بنایا
اور بودنی اور بچوں کو تھا اُسمیں بٹھایا | قد میں تو وہ تھا بودنا چھوٹا سا کہایا
پر دل میں وہ گرہ پنکھ سے ٹھہرا تھا سوایا

کوّے کو سمجھتا تھا وہ اک مکھی کا بچا | اور چیل کو گنتا تھا وہ ناچیز پتنگا
بگلے کو بچہ کوے کا اور بہری کو بھنگا | لگھڑی سے یہ کہتا کہ تو ہے کیا اری چل جا
ہمنے ترے لگھڑ کو ہے چٹکی میں اُڑایا

اک روز وہ سارس سے لگا کہنے اُچھل کر | جس پیڑ پہ ہم بیٹھے ہیں ہلتا ہے سراسر
سارس نے یہ سن بودے سے یہ کہا ہنسکر | کیا بات تم ایسے ہی ہو بھاری وزندار
ہر پیڑ کو ہے بوجھ تمھارے نے ہلایا

رہتا تھا وہ جس پیڑ پہ وہ پیڑ تھا بڑنا | آ کے کہیں اس دشت میں اک ارنی وا ارنا
خوش آیا انھیں واں جو ہری گھاس کا چرنا | ٹھہرایا انھوں نے اُسی جنگل میں اُترنا

رہنے لگے وہ بھی انھیں صحرا جو وہ بھایا

وان پودنی اور ارنی میں بہنایا جو ٹھہرا دن کو وہ لگے رہنے خوشی ہوگے اُسی جا
اور رات کو رہنے لگی وہ ارنی کنے جا خوش ہوکے لگی رہنے ہوا پیار جو گہرا

دونوں نے غرض خوب محبت کو بڑھایا

اک روز وہ ارنی کہیں چرتی ہوئی آئی اور آتے ہی اُس پیڑ سے پیٹھ اپنی کھجائی
وہ پیڑ ہلا پودنی نے دھوم مچائی ہوجاوے گی اس بات میں مر دونسے لڑائی

اس تیرے کھجانے نے بہت ہمکو ستایا

ارنی ہنسی یہ سُن کے اور ارنے سے کہا جا ارنا بھی ہنسا اور کہا جا پھر تو کھجا آ
اور آئی کھجانے کو تو یوں پودنا بولا بدذات یہ تیری نہیں تقصیر ہیں سمجھا

شاید ترے ارنے نے تجھے ہے یہ سکھایا

کل اس کی سزا پادیگا ارنا ترا بدخو جب صبح لگی ہونے تو وہ پودنا دلجو
آیا جہاں سوتا تھا وہ ارنا پڑا خوش ہو دھر بیٹھ گیا کان میں باندھ اپنے پر نکو

پھر پھر گیا اور پردے میں پنجوں کو گڑایا

ارنا لگا ٹکرانے کو سر شور مچا کر ارنی گری اس پودنے کے پاؤں پہ جاکر
جب پودنی نے اس کے ترس حال پہ کھا کر جلدی سے نکالا اُسے آواز سنا کر

ارنے کو سوا بھاگنے کے کچھ نہ بن آیا

بھاگا غرض ایسا کہ نہ پھر پیچھے کو دیکھا ارنی بھی گئی بھاگ کے ساتھ ارنے کے گھبرا
اس بھاگنے میں دونوں نے پھر منھ کو نہ پھیرا ارنا تو نہ تھا اپنے ادھر خوف سے بھاگا

یاں گھونسلے میں پودنا پھولا نہ سمایا

کرجگ

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا گو مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں تیر ہے کس بات پر بھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو اک گھاس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

شوخی شرارت مکر و فن سب کا بسیکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ آپ دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہے تس کا پرکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کی بستی رکھے اُس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کے مارے چھری اس کے بھی لگتا ہے چھرا
جو اور کی توڑے دُھری اسکا بھی ٹوٹے ہے دُھرا
جو اور کی چیتے بدی اس کا بھی ہوتا ہے بُرا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جَو سے جَو چاول سے چاول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا
کل دیوے گا کل پاویگا کل پاویگا کل پاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اور دل کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

کرجاک جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکّر دیکھ لے
موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر

تیرا بھی نقصاں ہووےگا اس بات پر تو دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر
یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

غفلت کی یہ جاگہ نہیں یاں صاحب ادراک رہ
دل شاد رکھ دل شاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیر اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے اے میاں تو پاک رہ بیباک رہ
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے

یہ پینٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا کیا جنس اکھٹی ہے
یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹی ہے
کچھ پکتا ہے کچھ کھُنتا ہے پکوان مٹھائی پٹی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے چولھا بھاڑ نہ بھٹی ہے
غل شور رہو لا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا ہوتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی دادا پوتا کہاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے رشتہ ہے نے ناتا ہے
غل شور بھولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی سیٹھ مہاجن لاکھ پتی بزاز کوئی پنساری ہے
یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
کیا جانے کون خریدے گا اور کس نے جنس اتاری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو دلال نہ کوئی بیوپاری ہے
غل شور بھولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی پھول گلے بن بیٹھے مسند پر کوئی لوٹے اپنی دولت کو
کوئی بولے اپنا مجھ سے لو اور میرا ہو سو مجھ کو دو
کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق کو ناحق کو
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ایک نہ دینا دو
غل شور بھولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

رمال نجومی عامل ہے اور فاضل ملا سیانا ہے

کوئی عاقل کامل دانا ہے کوئی مست پڑا دیوانا ہے
تعویذ فلیتہ فال فسوں اور جادو منتر لاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب حیلہ مکر بہانا ہے
غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں بنیا کسی کا ڈیرا ہے
کوئی باغ کنواں بنواتا ہے اور گھیر کسی نے گھیرا ہے
نت قضیئے جھگڑے کرتے ہیں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے تیرا ہے نے میرا ہے
غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
کہیں دھوم مچی ہے قرضوں کی کہیں قرضونکا دکھ سہنا ہے
کوئی مہرا اپنا پرکھاوے اور بیچے کوئی چینا ہے
ہر روز تقاضا دھرنا ہے دکھ دینا پیسہ لینا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے لینا ہے نے دینا ہے
غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
کوئی بنیا ہے کوئی تیلی ہے کوئی بیچے پان تنبولی ہے
کوئی سر پر رکھ کر کھینچے ہے کوئی باندھے پھرتا جھولی ہے

کہیں گوں ڈھلی ہے ناجوں کی کہیں تھیلا تھیلی ٹھوئی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو اک دم کی بولی ٹھولی ہے
غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہے کوئی باندھ پھرے عمامہ ہے
کوئی صاف برہنہ پھرتا ہے نے پگڑی نے پاجامہ ہے
کمخواب گزی اور گاڑھے کا نت قضیہ ہے ہنگامہ ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے پگڑی ہے نے جامہ ہے
غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہے کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی ننگے منگے آتا ہے
کوئی پوجا گنتھا بکھانے ہے کوئی چھاپہ تلک لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑا گیلا جاتا ہے
غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی روتا ہے کوئی ہنستا ہے کوئی ناچے ہے کوئی گاتا ہے
کوئی چھپنے چھپکے سے بھاگے کوئی دھونس دھڑ کا لاتا ہے
کوئی مال اکٹھا کرتا ہے کوئی کنجی قفل لگاتا ہے

جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھگڑا اور رگڑا جاتا ہے
غل شور ہبولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بیچے بھنگ شراب افیوں کہیں دودھ دہی کی کھیری ہے
کوئی پیلا سر پر لاتا ہے کوئی لادے بیل بکیری ہے
کوئی جھگڑے اپنی جاگہ پر یہ میری ہے یہ تیری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے تیری ہے نے میری ہے
غل شور ہبولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں بھی ٹٹو کی ٹھوتی ہے کہیں گھاس کی پکی پوتی ہے
کہیں چھلنی چھاج پٹارے ہیں کہیں چولھا چکی جوتی ہے
ترکاری بینگن ساگ تڑا گڑ گاندا گاجر مولی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھو یہ دیکھن بھولی ہے
غل شور ہبولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں بان اٹیری ٹاٹ گڑی کہیں سرکھی چرخ نکالا ہے
کہیں رودگ روپیا خوردہ ہے کہیں کوڑی پیسہ دھیلا ہے
کہیں ڈھانچ پلنگ کا بکتا ہے کہیں چھینکا رسی رسا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے پیڑھی کھاٹ نہ چرخا ہے

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی شکرا باز اڑاتا ہے کوئی ہاتھ پہ رکھے تیتلی ہے
شہباز کوئی لے بیٹھا ہے اور ڈر کسی لے دنتی ہے
ہے نار کسی کے ہاتھوں میں اور ناچ بھی بھرتی پتلی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نے ریشم سوت نہ سُتلی ہے
غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

اب کس کا رنگ برا کہیئے اور کس کا روپ بھلا کہیئے
اک دم کی سینٹھ لگی ہے یہ انبوہ ہزار جیا کہیئے
یہ سیر تماشا دیکھ نظیر اب جا کہیئے بیجا کہیئے
کچھ بات نہیں بن آتی ہے چپ چاپ بھلی ہے کیا کہیئے
غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچر پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

حصّۂ دوم

عبادت اور خداپرستی

دلا تو کہنے کا میرے یقین جان میاں　　جو بات تجھ سے کہوں میں اُسے تو مان میاں
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ہر زمانہ میاں　　دہن میں پھرتی ہے جبتک تری زبان میاں
خدا کا نام لیا کر تو آن آن میاں

ملی جہاں میں تجھے یہ جو زندگانی ہے　　یہ چند روزہ ہے اے جاں نہ جاودانی ہے
عبادت اُس کی یہاں دلمیں جسنے ٹھانی ہے　　اوسی کو دونوں جہاں بیچ شادمانی ہے
وہی تو کر جو رہے تو بھی شادمان میاں

جو ہر طرح تو عبادت میں دل لگاویگا　　تو یاں بھی خوش رہیگا واں بھی خوش تو جاویگا
ہزاروں فائدے دلخواہ اسمیں پاویگا　　اور اپنی عمر جو غفلت میں تو گنواویگا
تو اسمیں ہوگا زیادہ ترا زیان میاں

نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ　　بہار باغ عنایات ذوالمنن کو دیکھ

ریاضِ روح کو اور گلستانِ تن کو دیکھ نعیم و راحت و آرام و پیرہن کو دیکھ
کہ ہیں خدا کے یہ الطاف بیکراں میاں

لبوں کو زیب دے قرآن کی تلاوت سے خبر جو ہے تجھے افضال کی بشارت سے
خوشی ہو دل کو ترے خلد کی طہارت سے ہر ان کا حسن بڑھا طاعت و عبادت سے
اسی میں خوبی ہے تیری بہر مکاں میاں

کئے گناہ تو رنج و عذاب دیکھے گا بروز حشر بہت پیچ و تاب دیکھے گا
دگر صواب کرے گا ثواب دیکھے گا خوشی سے اپنے تئیں کامیاب دیکھے گا
ہمیشہ حسن عمل سے لگا تو دھیاں میاں

یہ زندگی ہے غنیمت اسے تو مفت نہ کھو خدا کا شکر بجا لا ہر اک طرح خوش ہو
یہ دنیا مزرعِ عقبیٰ ہے اسمیں نیکی بو کہا نظیر نے جو تجھ سے یاد رکھ اس کو
اسی میں تیری سعادت کا ہی نشاں میاں

خدا دینے والا ہے

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے اور درد اپنے دل کا کسی کو تو مت سنائے
مانگ اُس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

قادر قدیر خالق و حاکم حکیم ہے مالک ملیک حی و توانا قدیم ہے
دونوں جہاں میں ذات اُسی کی کریم ہے یعنی اوسی کا نام غفور الرحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ستار ذوالجلال خداوند کردگار　　رزاق کارساز مددگار دستدار
انسان دیو جن و پری فیل و مور و مار　　جاری اوسی کے ہاتھ میں ہیں سب کے کاروبار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کہنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے　　پر سب نیازمندوں کا اس پر ہی ناز ہے
جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے　　جتنی ہے خلق سب کا وہی کارساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں ہیں جتنے تو ان سب کا چھوڑ ہاتھ　　لے پانوں پڑ کسی کے تو اس دل نہ جوڑ ہاتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑ ہاتھ　　اس سے ہی مانگ جسکے ہیں اب سو کروڑ ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اسکے سوا کسی سے کہے گر تو جائے گا　　اس آبرو کو اپنے تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہووے گا یوں ہی تو خالی پھر آئے گا　　بن حکم اس کے یار تو اک جو نہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زر سیم و لعل دُر کو تو بارے اسی سے مانگ　　صندوق مال و دھن کے پٹارے اُسی سے مانگ

پیسا جو مانگتا ہے تو جا کے اُسی سے مانگ — کوڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے اسی سے مانگ
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن بھی لا دلائے — اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا مُنھ چھپائے
بن حکم اُس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے — گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پلائے
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ ساہوکار — یہ سب اسی سے مانگتے ہیں دن رات بار بار
ہرگز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پسار — پوری تری اسی کے دئے سے پڑے گی پار
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس — محتاج ہو گئے آپ وہ بیٹھا ہے جی اُداس
ماں باپ یار دوست غرض سب ہیں بے ہراس — ہر دم اُسی کریم کی رکھ اپنے دل میں آس
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر — اللہ ہی غنی ہے میاں اور سب فقیر
کیا گنج دھن کے مال و مکان تاج کیا سریر — جو مانگنا ہے اُس سے ہی مانگو میاں نظیر
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گلدستۂ قدرت

دنیا کا چمن یارو ہے خوب یہ آراستہ — ہر سبز رہے اسکا ہر سبزۂ پیوستہ
ہر پھول کے آنے کا جاری ہے سدا رستہ — ہر شاخ مقطع ہے ہر برگ ہے پیوستہ
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

یاں ارض و سما اور یہ ان کے جھولے ہیں — جن، دیو، پری، آدم یا باؤ بولے ہیں
سب وحشی و طائر ہیں یا گھاس کے پودے ہیں — کچھ اور نہیں یارو یہ گل وہی پھولے ہیں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ہر شہر و دہ و قصبہ سب پھولوں کی ڈلیاں ہیں — کوچے ہیں سو تختے ہیں گلیاں ہیں سو کلیاں ہیں
دیوار و در و حجرے سب کیاریاں ڈھلیاں ہیں — اینٹ اینٹ ہیں ہر گھر کے کیاری نما تھیں نیاں ہیں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

انبوہ ہے غنچہ و گل اور گل کی قطاریں ہیں — شاخوں کے تراکم[1] ہیں برگوں کی بہاریں ہیں
جو اپنی نظر سے ہو کر خوبی کو سنواریں ہیں — سب اپنے ہی عالم میں دم حسن کا ماریں ہیں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

---

[1] تراکم - ہجوم۔

کہتا ہے یہ گل ہر دم میں عطر سراسر ہوں   اور سیوتی کہتی ہے میں اس سے معطر ہوں
بیلا یہ پکارے ہے میں چاندی کا تر ہوں   گل اشرفی کہتی ہے وہ کیا ہے میں بہتر ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ راز ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

لالہ یہ سناتا ہے میں لال کا پیالہ ہوں   سورج مکھی کہتی ہے میں اسکی بھی خالہ ہوں
صد برگ یہ کہتا ہے میں ہنٹو درجہ میں بالا ہوں   گل جعفری کہتی ہے بڑا اس سے بھی اعلیٰ ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

نسرین و سمن شبو گھا ہے ثریا کا   نیلوفر و نافرماں ہے روپ کنھیا کا
دا بیل چنبیلی یکی جلوہ ہے ڈلیا کا   دم بھرتا ہے جنت اسے ہر پھول کٹھیا کا

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے کنول ہر دم میں پاک نمازی ہوں   اور موگرا کہتا ہے میں حور دہوں غازی ہوں
سوسن کی زباں بولی ہیں ترکی و تازی ہوں   کہتی ہے گل عباسی میں سب سے تازی ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

مدھ مالتی ناگیسر اور مولسری کرنا   دوپہریا داؤدی گل چین کٹھل برنا
نرگس بھی پکارے ہے مجھپر یہ نظر کرنا   پیچھے کو سہاگن کے سو عشق کے دم بھرنا

سا ستے ۔ ے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے گلدستہ

گل کیوڑا یہ کہتا ہے کیا مجھ کو تراشا ہے — اور کیتکی کہتی ہے صندل کا تراشا ہے
اور موتیا شفتالو زر سیبم کا ماشا ہے — اور رنگ حنا مخمل جو ہے سو تماشا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ڈیلے و کنیروں کی کیا پنکھڑی ڈالی ہے — چمپا و چمبیا ہے موتیے کی بالی ہے
بگلے و موتیاں کی کچھ بات نرالی ہے — گل چاندنی کہتی ہے میری ہی اجالی ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کی باندھا ہے یہ گلدستہ

دستار پہ گل طرہ کیا شان جماتا ہے — کلنگا بھی ادھیڑ اپنی کلگی کو ہلاتا ہے
اور پھول لواڑی کا بجرے کو بڑھاتا ہے — جو گل ہے سو اپنے ہی جوبن کو دکھاتا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

بن آگ تری ٹیسو کیا پھول رہے بن بن — سرسوں ہے اڑوسا ہے پھر دوپہری درسن ہیں
کہتا ہے پیا بانسا ہے حسن مرا سوسن — درسن یہ پکارے ہے آ دیکھ لے سکھ درسن

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست نے قدرت کی باندھا ہے یہ گلدستہ

قدرت نے بنا جسکی اس باغ کی ڈالی ہے — کیا بولیں نظیر آگے کیا خوب وہ مالی ہے

کیا نخل کا ڈالا ہے کیا پھول کی ڈالی ہے　　سب کا وہی وارث ہے سب کا وہی والی ہے
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر سبز
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

دنیا

یہ جتنا خلق میں اب جا بجا تماشا ہے　　جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
سمجھا تو کم اسے یارو بڑا تماشا ہے　　جدھر کو دیکھو ادھر اک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

ہرے یہ دیکھ تماشے نہیں ہیں ہوش بجا　　کسے بتاؤں میں سیدھا کسے کہوں الٹا
جو ہو طلسم حقیقی وہ جاوے کب سمجھا　　عجب بہار کی اک سیر ہے اہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

نہیں ہے زور جنھوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں　　جو زور والے ہیں وہ آپ سے بچھڑتے ہیں
جھپٹ کے اندھے بٹیروں کے تئیں پکڑتے ہیں　　نکالے چھاتیاں گبرے بھی سب اکڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

بنا کے نیا ریا زر کی دکان بیٹھا ہے　　جو منڈی وال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے　　زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

زباں ہے جسکے اشارے سے وہ بکا دے ہے　　جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
کلاونتوں کی کوا کھڑا اتارے ہے　　اچھل کے مینڈکی ہاتھی کو لات مارے ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

جو ہیں نجیب نسب کے وہ بندے چیلے ہیں — کمینے اپنی بڑی ذات کے نویلے ہیں
جو باز شکرے تھے پاپڑ پھرے وہ بیلی ہیں — سگھڑ تو مر گئے اُلّو شکار کھیلے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

جنھوں کی ڈاڑھی ہے اُنکی تو بات واہی ہے — جو ڈاڑھی منڈے ہیں اُنکی سند گواہی ہے
سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے — اُجاڑ شہر ہیں مردوں کی بادشاہی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں — جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دھنتے ہیں
دھوئیں برستے ہیں اور ابر تنکے چننے ہیں — کباب بھنگتے ہیں اور ملیدے بھنتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

خبیث دیو پلید آ ہر اک سے اڑتے ہیں — جو آدمی ہیں وہ اُن سب کے پانوں پڑتے ہیں
بلائیں لیتے ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں — یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مردے لڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

کھلے ہیں آک کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں — بنولے پلتے ہیں انگور آم سڑتے ہیں
سخی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں — بخیل موذیوں کو مونسلو نسے جھپڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

عزیز جو تھے ہوئے جشم میں سبھوں کے حقیر — حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحب توقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر — اچنبھے خلق کے کیا کیا کروں بیاں میں نظیر

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

فقیر

جتنے تو دیکھتا ہے یہ پھل پھول پات بیل   سب اپنے اپنے کام میں ہیں کر رہے جھمیل
ناتا ہے یاں نہ ناطہ جو رشتہ ہے سو نکیل   جو غم پڑے سو اس کو تو اپنے ہی تن پہ جھیل
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل ٹرا اپنے سر پہ کھیل

یہ صورتیں جو دیکھے ہے مت ان سے دل لگا   بڑیں ہیں سوتیاں انہیں اے یار مت جگا
مجرہ کلاہ پھینک اڑا دے جھکا لگا   آگے کو چھوڑ ناطہ نہ پیچھے کو رکھ لگا
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل ٹرا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر تو ناتا کسی سے کیا   چھوڑا کٹم تو پھر رہا رشتہ کسی سے کیا
مطلب بھلا فقیر کو بابا کسی سے کیا   دلبر کو اپنے چھوڑ کے مرنا کسی سے کیا
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل ٹرا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمیں ہے نہ یہ تیرا آسماں   تیرا نہ گھر نہ بار نہ تیرا یہ جسم و جاں
اس کے سوا کہ جس کا ہوا تو فقیر یاں   کوئی ترا رفیق نہ ساتھی نہ مہرباں
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل ٹرا اپنے سر پہ کھیل

دیتا ہے دل کو اپنے تو ہے اس کبھی کے ہات   جس یار سے کہ ہو ترے جیتے ہوئے کا سات

اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل ملکے میٹھی بات — مارا پڑے گا دیکھ نہ کھا ان کی آت گھات

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ الفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں — یہ الفتیں نہیں ہیں مری جان قہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں جادو کے شہر ہیں — جتنی مٹھائیاں ہیں مری جان زہر ہیں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا تو ہے فقیر اسی کو سمجھ تو یار — مانگے تو مانگ اسی سے تو کیا نقد کیا ادھار
دیوے تو لے وہی جو نہ دیوے تو دم نہ مار — اس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کاروبار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اسے نہ جان یہ دریا ہے تہ دار — لاکھوں میں اس سے کوئی اتر کر رہا ہے پار
جب تو بہا تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار — ملاح یاں نہ ناؤ نہ بلی ہے میرے یار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے یہ طلسمات ہے میاں — یہ جانور یہ باغ یہ گلزار یہ مکاں
شکلیں جو دیکھتا ہے یہ جادو کی ہیں عیاں — سب کچھ ترے تئیں ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ اگر تو ہوا نام کا فقیر | ہو کر فقیر تو بھی رہا جال میں اسیر
ایسا ہی تھا تو فقر کو ناحق کیا پذیر | ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل میاں نظیر

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نہ بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

مکافات

ہے دنیا جس کا ناؤں میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلا دے پان ملے جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے پھر ویسا اس کو آن ملے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جان بخشے تو حق اس کی بھی جان رکھے

جو اور کسی کی آن رکھے تو اُسکی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے تو دل میں اپنے جان رکھے
یہ تُرت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو اُس کی بھی ناؤ اُترتی ہے
جو غرق کرے پھر اسکو بھی یاں ڈُبکوں ڈُبکوں کرتی ہے
شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو مصری اور کے مُنہ میں دے پھر وہ بھی شکر کھاتا ہے
جو اور کے تئیں اب ٹکر دے پھر وہ بھی ٹکر کھاتا ہے

جو اور کو ڈالے چکّر میں پھر وہ بھی چکّر کھاتا ہے
جو اور کو ٹھوکر مار چلے پھر وہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں یہ جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب بچارا ناحق ناحق میں لٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
وہ جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے اس کا بھی چھوٹا اُچکا ہے
جو اور پہ چوکی بٹھلا دے اس پر بھی دھونس دھڑکا ہے
یاں پشتی میں تو پشتی ہے اور دھکے میں یاں دھکا ہے
کیا زور مزے کا جمگھٹ ہے کیا زور یہ بھیڑ بھڑکا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اس کے ساتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ چیرا ہے ٹپکے کے بیچ جو ہے ٹپکا

کیا کہئے اور نظیرؔ آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

طلسم زندگی

آہ کیا کہئے رہی یاں جب تلک اپنی حیات　　تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے ساتھ
جب موئے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات　　زندگی اپنی تھی گل چونسٹھ گھڑی کی کائنات
اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشا بھی ہو چکے　　صاحب تاج و نگیں فرمانروا بھی ہو چکے
مالک ملک و مکاں کشور کشا بھی ہو چکے　　عاجز و مفلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے
اتنے ہی عرصے میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر وہی دن رات میں ہم ہو گئے حشمت پناہ　　بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوان و شاہ
محتسب، کتوال، قاضی، صدر، مفتی، اہل جاہ　　اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ
اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف و کامل ہوئے　　صاحب کشف و کرامت اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل، فقیہ و جاہل و عاقل ہوئے　　تھی یہی فرصت اسی میں خاک مٹی گل ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم پوتے اور بیٹا ہوئے　　پھر ہمیں بابا ہمیں نانا ہمیں دادا ہوئے
سالے سسرے بھائی، ماموں اور چچا تایا ہوئے　　تھی یہی فرصت اسی میں دیکھئے کیا کیا ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر　　مسجد و تالاب و مندر، حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر　　تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر

اتنے ہی عرصے میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم دلربا بھی ہو گئے　　عاشق و فاسق اسیر و مبتلا بھی ہو گئے
پر گنہ مست و خراب و پارسا بھی ہو گئے　　تھی یہی فرصت اسی میں تھا جو ہونا ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کو بھی زرگی بھر گئے　　بس بزاز اجناس اور بن بیٹھے سوداگر گئے
خاک چھانی ادھر ادھر نفع گیا کیا کر گئے　　تھی یہی فرصت، انھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کھیتیاں بھی بو گئے　　شحنۂ عامل مقدم ہو کے قانون گو گئے

پھر سپاہی ہو سپر شمشیر کو بھی رو گئے — پھر اسی میں تھا جو ہونا ہمکو وہ سب ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں اپنا ہوا بیاہ اور برات — لڑکے بالے بھی اسی میں ہو گئے پھر آٹھ سات

دیکھ لی ہولی دوالی عید بھی اور شب برات — پھر اسی میں چل بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ ہات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر و کیا کبیر — سب گئے ہم نے یہاں ہر حال میں ہو کر امیر

طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں سے بن گئے پیر — پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر نظیر

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

دم کا تماشا

جہاں میں جب تلک یارو ہمارے جسم میں دم ہے — کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے

کہیں کس کس سے کیا کیا اک دم کا عالم ہے — مگر جو صاحبِ دم ہے وہ اس نکتہ سے محرم ہے

جو آیا دم تو آدم بنے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

مشقت مختلف سے جمع کرنا دام درہم کا — تعلق رنج و راحت کا تفکر بیش اور کم کا

کبھی سامان عشرت کا کبھی اسباب ماتم کا — کہوں کیا کیا غرض یارو یہ جھگڑا ہے سب اس دم کا

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کے کہوں میں سیم اور زر میں ڈھیر ہیں — اسی کے واسطے عطر اور گلابوں کے ترڑے ہیں
جلیبی، امرتی، برفی، گلابی لڈو پیڑے ہیں — غرض میں کیا کہوں یارو یہ سب دم کے بکھیڑے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے کیا محل یہ سنگیں ترشتے ہیں — اسی کے واسطے زر سیم کے توڑے وماتے ہیں
بہار و باغ و صحرا صید اور شکرے و باشے ہیں — فقط دم کے ہی آنے کے یہ سب یارو تماشے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی آدم کی پوشاکیں ہیں رنگیں عطر میں ڈوبی — اسی کے واسطے ہے سب طرح داری و مرغوبی
گدائی، پادشاہی، عاشقی، رندی، و محبوبی — اسی دم کے ہی آنے کی ہے اے یارو یہ سب خوبی

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کے لئے افیوں شراب پوست رنگیں ہیں — نشے مستی ترانے عیش و عشرت کی ترنگیں ہیں
محبت دوستی اخلاص الفت صلح جنگیں ہیں — اسی دم کے ہی آنے کی یہ سب یارو امنگیں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

یہی دم باقی گھوڑے پالکی ہودج پہ چڑھتا ہے — یہی دم بیکسی میں اٹکے پاؤں سے کھدڑتا ہے

کوئی مفلس ہو گھٹتا ہے کوئی عمدہ ہو بڑھتا ہے　　جو کچھ ہے وہ بیچ اے یارو سب یہ دم ہی گڑھتا ہے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کیلئے یہ سب بنے ہیں سکھ زمانے کے　　فرح عیش و طرب کے اور تحمل دکھ اٹھانے کے
جہاں تک شادی و غم ہیں جہاں کے کارخانیکے　　یہ سب دکھ سکھ ہیں اے یارو اسی آدم کے آنیکے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کے لئے بدلی میں بجلونکی قطاریں ہیں　　اسی کے واسطے ابر و ہوا و مینہ کی دھاریں ہیں
چمن گلزار بوٹا پھول پھل اور آبشاریں ہیں　　نظیر اب کیا کہے یارو یہ سب دم کی بہاریں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

آبرو

دکھ کی دولت ہو تو اسکو بھی تباہی بوجھئے　　سکھ سے رہنا خلق میں خوش دستگاہی بوجھئے
روشنی کو غم کی ہر جاگہ سیاہی بوجھئے　　صحت و حرمت کو نت حشمت پناہی بوجھئے

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھئے

صحت و حرمت سے گر اللہ یاں کردے نباہ　　اس برابر کون سا ہے پھر جہاں میں عز و جاہ
اب جو ہم اس بات کے رتبے کو کرتے ہیں نگاہ　　کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ

تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

اسکے سب محتاج ہیں اب شاہ سے لے تا گدا — جس سے تن سالم رہے اور پیٹ حرمت سے بھرا
آبرو اور تندرستی جس کو حق نے کی عطا — پھر جہاں میں اس سا یارو کونسا ہے بادشا
تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

دولتیں جتنی ہیں سب اُن دولتوں سے ہیں تلے — آبرو اللہ رکھے عمر حرمت سے کٹے
عزت و حرمت بڑی دولت ہی اللہ سب کو دے — ہر گھڑی ہر آن ہر دم خلق میں پیارے مرے
تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

آبرو دنیا میں یارو موتی کی سی آب ہے — تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہے
جس کنے ہے یہ اسی کا سب دبا داب ہے — زار ہیں تو زندگی یہ پھر خیال و خواب ہے
تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

ہیں جہاں تک خلق میں پیر و جواں خرد و کبیر — عالم و فاضل گدا و بادشہ میر و وزیر
ہیں تونگر کیا غنی کیا بینوا اور کیا فقیر — سب جہاں میں ہیں اسی نکتہ کے قائل اے نظیر
تندرستی کو نپٹ فضلِ الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

تندرستی

ہیں مرد اب وہی کہ جنہوں کا ہے فن درست
حرمت انھوں کے واسطے جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا صدا مال دھن درست
دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انھوں کو تئیں کہئے بادشاہ
جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ
ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و حشمت پناہی ہے
بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے
سچ پوچھئے تو عین یہ فضلِ الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اس کا بھرا ہے تمام گھر
بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سر بسر
پھر اسے کبھی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو
بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو

قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو — مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں — ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب و ناں
قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں پھر تو واں — پھر ایسی اور کون سی نعمت ہے میری جاں
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو — محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال علم و ہنر گر ذرا نہ ہو — اک تندرستی چاہیئے کچھ ہوئے یا نہ ہو
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار اگرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ — تو اس کو جانئے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ — اب جس کا تن درست ہو حرمت سے ہو نباہ
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے گنے — اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چا بنے چنے — جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں مستیاں پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں
کھانیکو نعمتیں ہوں وبا فاقہ مستیاں سب عیش اور مزے ہوں جو ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے بازار، چوک، سیر، تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل جب تک یہ کل بنی ہے تو ہے آدمی کو کل
گر ہو خدانخواستہ اک کل بھی چل بچل پھر نے خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا کھیل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنیٰ ہو یا غریب تونگر ہو یا فقیر یا بادشاہ شہر کا ہو یا کوئی وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

سخاوت

ذرہ ار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو تزئین سکھ سے ترسا نہ اپنے تن کو

جو نر جلین جلیں ہیں چل تو بھی اُس چلن کو　　مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا　　تاش اور رباد ے میں اک بار جگمگا جا
یا پی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا　　اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کٹن زر چھوڑ کر مرے گا　　یا کھائے گا جنوائی یا خالصہ لگے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ راہِ خدا میں دیگا　　کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہیگا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آ پڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا　　مالک پھر اور کوئی ٹھہریگا تیرے دل کا
آگے سے دے دلا کے ہو وہ تو اُس سے ہلکا　　کر فکر اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہی دھن بھی دیگا　　مال و مکاں حویلی باغ و چمن بھی دیگا
جیتا رہے گا جب تک کھانے کو ان بھی دیگا　　مر جاویگا تو وہی تجھ کو کفن بھی دیگا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دبے ہیں سب کھالے اور کھلالے
رکھ دھن اسی کی دلیں اکھالے اور کھلالے
اپنا سمجھ اوسی کو رب کھالے اور کھلالے
اب تو نظیر تو بھی سب کھالے اور کھلالے
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مر دبے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

استغنا

گر بادشہ ہو کر عمل ملکوں ہوا تو کیا ہوا
دو دن کا نرسنگھا بجا بھوں بھوں ہوا تو کیا ہوا
غل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا تو کیا ہوا
یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا تو کیا ہوا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

دو دن تو یہ چرچا ہوا گھوڑا ملا ہاتھی ملا
بیٹھا اگر ہودے اوپر یا پالکی میں جا چڑھا
آگے کو نقارہ نشاں پیچھے کو فوجوں کا پرا
دیکھا تو پھر اک آن میں ہاتھی نہ گھوڑا نے گدھا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

یہ دولت و اقبال ہے پہنا زری اور بادلا
مسند سنہری دی بچھا کمخواب کے تکئے لگا
آخر نہ وہ دولت رہی نہ آپ نہ وہ گھر رہا

مسند کہیں جاتی رہی تکیہ کہیں چلتا بنا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے اور عیش کے اسباب تھے
ساقی صراحی گلبدن جام شراب ناب تھے
ہاں بیکسی کے درد سے لے اب تھے بیتاب تھے
آخر جو دیکھا دوستو پھر کچھ خیال و خواب تھے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
ہر دم پکارے تھا نقیب آگے بڑھو پیچھے رہو
یا ایک دن دیکھا اسے تنہا پڑا پھرتا ہے وہ
بس کیا خوشی کیا ناخوشی یکساں ہیں سب اے دوستو
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

جب حشمتوں کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شیخیاں
ہر دم تکبر کے سخن ہر آن میں مغروریاں
اور اڑ گئی دولت یہ پھر اسباب کے تختے کہاں
آکر فنا حاضر ہوئی سب مٹ گئے نام و نشاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر
میوے مٹھائی بامزہ حلوائے تر شیر و شکر

یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھر نظر
ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کے خاطر در بدر
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

یا دوستوں کے سامنے آکر تھا اک دریا بہا
لے کر زمیں تا آسماں دولت میں پھرتا تھا پڑا
یا ہو کے مفلس بے نوا پھرتا ہے دانے مانگتا
جب آگئی سر پر اجل دم بھر میں سب کچھ مٹ گیا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو در در پھرا
جب وقت چلنے کا ہوا نے یہ رہا نے وہ رہا
آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر چل بسا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

گر اک مصیبت میں رہا اور دوسرا دل شاد ہے
واں عیش و عشرت کے مزے یاں نالہ و فریاد ہے
یا لذتیں یا راحتیں یا ظلم یا بیداد ہے
کچھ وہ نہیں جاتا میاں آخر کو سب برباد ہے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

جو عشرتیں آکر ملیں تو تو وہ کر جا نا میاں

جو درد دُکھ آکر پڑتے تو وہ بھر جانا میاں
یا سکھ میں یا دُکھ میں غرض یاں سے گزر جانا میاں
یاں چار دن کی زندگی آخر کو مر جانا میاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

اب دیکھ کس کو شاد ہو اور کس پہ آنکھیں نم کرے
یہ دل بچارا ایک ہے کس کس کا اب ماتم کرے
یاروں کو رو دے بیٹھ کر یا درد دکھ کو کم کرے
یاں کا یہی طوفان ہے اب کس کی جو تی غم کرے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

گر تو نظیر اب مرد ہے تو جال میں بھی شاد ہو
دستار میں بھی ہو خوشی رومال میں بھی شاد ہو
آزادگی بھی دیکھ لے جنجال میں بھی شاد ہو
اس حال میں بھی شاد ہو اس حال میں بھی شاد ہو
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

پیسہ

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا خیال ہے
پیسا ہی فوج پیسا ہی جاہ و جلال ہے پیسے ہی کا تمام یہ دنگ و دوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا نہ ہو تو باغ کنوے پھر کہاں سے ہوں — کھانے کو پوری اور پوئے پھر کہاں سے ہوں
عیش و طرب کے نگی دوبے پھر کہاں سے ہوں — حلوا کچوری مال پوئے پھر کہاں سے ہوں
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

جوڑے چمن بہار ہیں پیسے کے واسطے — گہنے مرصع کار ہیں پیسے کے واسطے
خوشبو کے پھول ہار ہیں پیسے کے واسطے — سب نقش اور نگار ہیں پیسے کے واسطے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

رونق بہار ہوتی ہے پیسے سے سب حصول — اور جو نہ ہوئے چہرہ پہ اڑتی ہے خاک دھول
پیسا ہی ساری چیز ہے پیسا ہی مرد سول — بن پیسے آدمی ہے جہاں میں ہیچ ناقبول
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا ہی بس بناتا ہے انساں کی بات کو — پیسا ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو
بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو — بن پیسے یار دولھا بنے آدھی رات کو
پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال — پھنستے ہیں اس مکاں میں فرشتو کے پروبال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال — پیسا پری کو لائے پرستان سے نکال

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

تیغ و سپر اُٹھاتے ہیں پیسے کے واسطے　　تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کے واسطے
میداں میں زخم کھاتے ہیں پیسے کے واسطے　　یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کے واسطے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے　　بنیاد دیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دوزخ میں سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے　　جنت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں آدمی ہی کمانا بھی نام ہے　　پیسا جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسا ہی جسم جان ہے پیسا ہی کام ہے　　پیسے ہی کا نظیر یہ آدم غلام ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

زر

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہے فدائے زر　　جتنے ہیں سب کے دل میں بھری ہے ہوائے زر
آنکھوں میں دل میں جان میں سینے میں جائے زر　　ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب سوائے زر
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں — اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں — کتنے اسی کو قاضی حاجات کہتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

یہ پانی اب جو زیست کی سب کی نشانی ہے — زر کی چمک کو دیکھ کے اب یہ بھی پانی ہے
یارو ہماری جس کے سبب زندگانی ہے — یہ پانی یہ نہیں ہے وہ سونے کا پانی ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

آبِ طلا کی بوند بھی اب جس کے ہات ہے — وہ بوند کیا ہے چشمۂ آبِ حیات ہے
دنیا میں عیش، دین بھی عشرت کے سات ہے — زر وہ ہے جس سے دونوں جہانیں نجات ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سُرمے کی جس کے پاس طلا کی سلائی ہے — آنکھوں میں اسکی آب بڑی روشنائی ہے
لے عرش فرش سب اُسے دیتا دکھائی ہے — خالق نے دیکھ لو زر کی پتلی بنائی ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سر پانوں سے جو سونے کے گہنے کی ذیل ہے — جو دیکھتا ہے اُس کے وہی دل کو میل ہے
یہ چاہ یہ ملاپ تو زر کے طفیل ہے — نہ پوچھتے ہیں بھوت ہے وہ یا چڑیل ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں — کٹتے ہیں ہاتھ پانوں گلے اور کلائیاں
بندوقیں ہیں کہیں کہیں توپیں لگائیاں — کل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

لڑکا سلام کرتا ہے جُھک جُھک کے شام تا — بوڑھے بڑے سب اسکی طرف پیار کر کے واہ
دیتے ہیں یہ دعا اُسی تب دل سے خوامخواہ — اے میرے لعل ہو تیرا سونے کے سہرے بیاہ
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شاہ کیا وزیر — پیر و مرید مفلس و محتاج اور فقیر
سب ہینگے زر کے جال میں جی جان سے اسیر — کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی میاں نظیر
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں — وہ جدولیں وہ رنگ وہ سونے کے کام ہیں
جن کے ورق بھی سنہرے تمام ہیں — سب سے زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے — ہر اک امیدوار ہیں اُن کے سلام کے

سب مل کے پانوں چومتے ہیں اُنکے غلام کے　　کیا رتبے ہیں طلائے علیہ السلام کے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارتے ہے دن رات ہائے زر

کتنوں کے دل میں دھن ہے کہ زر ہی کمائیے　　کچھ کھائیے کھلائیے اور کچھ بچائیے

کہتا ہے کوئی ہائے کہاں زر کو پائیے　　کیا کیجے زہر کھائیے اور مر ہی جائیے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارتے ہے دن رات ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے یا سُرخ فام ہے　　لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے

سب میں زیادہ حسن کی الفت کا دام ہے　　زر وہ ہے جسکا حسن بھی ادنیٰ غلام ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارتے ہے دن رات ہائے زر

×× جو ××× پہنے ہے سونے کی بالیاں　　کیا اُس کے مُنھ پہ حُسن کی چمکے ہے لالیاں

یار اُس کے سب سمجھتے ہیں بھونکی ڈالیاں　　سب اُس کو چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارتے ہے دن رات ہائے زر

زر کھان میں گڑا ہے تو واں بھی بہار ہے　　شمشیر پر چڑھا ہے تو واں بھی بہار ہے

دیوار میں لگا ہے تو واں بھی بہار ہے　　گر خاک میں گرا ہے تو واں بھی بہار ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارتے ہے دن رات ہائے زر

زر کے دئے سے پیر اور استاد نرم ہو
زر کے سبب سے دشمن بیداد نرم ہو
جو شوخ سنگدل ہے پریزاد نرم ہو
زر وہ ہے جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلابتوں
میں اس کے تار تار کی تعریف کیا کروں
ہو دست رس تو چور اُچکے کو کیا کہوں
میرے ہی دل میں ہے کہ میں ہی اسکو چھین لوں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جا لوگ روم و شام میں زر کو کماتے ہیں
ماچین چیں سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں
اور یاں سے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

فقیروں کی صدا

زر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا
دکھ اسمیں تری روح بہت پائیگی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترسائیگی بابا
دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آئیگی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملوائے گی بابا

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اسی کے ترا اونچا رہے پھر ہات
اور یاں بھی تری گزریگی سو عیش سے اوقات

اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائیگی بابا

داتا کی تو مشکل کبھی اٹکی نہیں رہتی — چڑھتی ہے پہاڑوں کے اوپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع بھی کر لی — تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں یہ ابھولی ہے جوں پھول — مردود بھی کرتی ہے یہ اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول — زنہار خبردار ہو اس بات پہ مت پھول
یہ خندی ترے ساتھ نہیں جائیگی بابا

اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا — بیٹوں کو رفیقوں کو غریبوں کو کھلا جا
سب راہ پر وا اپنے مدے عشرت میں اڑا جا — پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا
ورنہ تجھے ہر دکھ میں یہ پھنسوائیگی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی — جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کریگی
کچھ شک نہیں اسمیں جو بڑھی ہے سو گھٹیگی — جب تک تو جئے گا تجھے یہ چین نہ دیگی
اور مرتے ہوئے پر یہ غضب لائیگی بابا

جب موت کا ہوویگا تجھے آن کے دھڑکا — اور نزع تری آن کے دم لیویگی بھڑکا
اٹکیگا اگر اسمیں نہ دم نکلے گا پھڑکا — کوئیں میں روپے ڈالکے جب ہوئیگا گھڑکا
تب تن سے ترے جان نکلجائیگی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا — ہے یہ تو یقیں آخر ش اک دن تو مریگا
پھر بعد ترے اسپہ جو کوئی ہاتھ دھریگا — وہ ناچ مزا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں چلائے گی بابا

اسکے تو وہاں ڈھولک مرونگ بجیگی	اور روح تری قبر میں حسرت سی جلیگی
وہ کھاویگا اور تیرے تئیں آگ لگے گی	تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائیگی بابا

جاویگا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ	ساقی و صراحی و پریزادکے ہمراہ
رونا تجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ	جب دیکھے گا سو عیش میں تو اسکے تئیں آہ
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہرائیگی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو بخیلی کا نہ کر کام	اس کام کا آخر کو بدی ہوتا ہے انجام
تھوکیگا کوئی کہہ کے کوئی دیویگا دشنام	زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام
بیزاریں ترے نام پہ لگوائے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن	گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج یہ قاروں کے ذرا دھیان	جیسا ہے اسے خوب کیا اس نے پریشان
ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلائیگی بابا

افلاس

رکھ بوجھ سر پہ نکلا اُستر ملا تو ایسا	گھیرا اخرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا	مفلس کا زرد چہرہ جو زر ملا تو ایسا
آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

جب مفلسی کا اگر سر پر پڑے ہے سایہ	پھرتا ہے مرد کیا کیا در در خراب و رسوا
بنتا ہے مفلسی میں مفلس کا آیہ نقشا	پورا ہنر جو سیکھا تو بھیک مانگنے کا

یہ بدنصیبی دیکھو جو ہر ملا تو ایسا

آخر کو تنگ ہو کر جب مفلسی کے مارے — چیلا ہوا کسی کا اور پہنے سیلی تاگے
واں سے سوا لنگوٹی ہرگز نہ پائی اسنے — دن کو دلائی جھاڑو شب کو منگائے ٹکڑے
مفلس بنا پیر و مرشد رہبر ملا تو ایسا

قلیے، پلاؤ، زردے دودھ اور ملائی کھوئے — پوری کچوری لڈو سب مفلسی نے کھوئے
جب کچھ ہوا میسر دن رات روئے دھوئے — یا خشک ٹکڑے چابے پانی سے یا بھگوئے
سوکھا ملا تو ایسا اور تر ملا تو ایسا

کمخواب، تاش، مشروع، تنزیب، خاصہ، ململ — سب مفلسی کے ہاتھوں گئے اپنے ہاتھ مل مل
پگڑی رہی نہ جامہ پٹکا رہا نہ آنچل — لے ٹاٹ کی قبا پر جوڑا ابرا نا کمل
ابرہ ملا تو ایسا استر ملا تو ایسا

جس دل چلے کے اوپر دن مفلسی کے آئے — پھر دور بھاگے اس سے سب اپنے اور پرائے
آخر کو مفلسی نے یہ دکھ اسے دکھائے — کھانا جہاں تھا بٹتا واں جا کے دھکے کھائے
کم بخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

تعظیم تھی ہر اک جا تھا پاس جب تلک زر — مفلس ہوا تو کوئی دیکھے نہ پھر نظر بھر
کپڑے لتّوں سے بیٹھا جس بزم میں دبا کر — سب فرش سے اٹھا کر بٹھلائیں جوتیوں پر
مفلس کو ہر مکاں میں آدر ملا تو ایسا

گر مفلسی میں اس نے دو تین لڑکے پائے — اور کتنے والے لڑکے واں کھیلنے کو آئے
دیکھ ان کے گہنے پاتے آنکھوں میں آنسو لائے — مرکی کو چھیل سچے نتھ اور کڑے بنائے
بدبخت کے بچوں کو زیور ملا تو ایسا

اسباب تھا تو کیا کیا رکھتے تھے لوگ رشتہ   مفلس ہوئے تو ہرگز رشتہ رہا نہ ناتا
بنے بھائی بھائی کہتا نے بیٹا کہتا بابا   اس پر نظیر مجھ کو رونا بہت ہے آتا
اس مفلسی زدے کو ٹبر ملا تو ایسا

خوشامد

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے   آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے   شاہ مسرور غنی شاد گدا راضی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجے   اور نہ ہو کام تو اُس ڈھب کی خوشامد کیجے
انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجئے   اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجئے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جسکو خوشامد سے کیا جھک کے سلام   وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام   خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مفلس ادنیٰ و غنی کی بھی خوشامد کیجے   بد بخیل اور سخی کی بھی خوشامد کیجے
اور جو شیطاں ہو تو اس کی بھی خوشامد کیجے   گر ولی ہو تو ولی کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دئے ہاتھ طرف جس کے آہ — وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوا پنہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ — کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پینے اور پہننے کھانے کی خوشامد کیجے — ہیجڑے بھانڈ زنانے کی خوشامد کیجے
مست و ہشیار دوانے کی خوشامد کیجے — بھولے نادان سیانے کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جنکا خوشامد کا مزاج — جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک اور راج — کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجے — اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجے
پاک ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجے — کُتّے بلی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے — غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ہے

ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے　　نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں　　ساس بولی کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں　　سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

آپڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے　　ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اُسے　　اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے　　نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
ساقی و جام و شرابی کی خوشامد کیجے　　پارسا رند خرابی کی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جو کہ کرتے ہیں خوشامد وہ بڑے ہیں انساں　　جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں　　جس نے یہ بات نکالی ہے میں اس کے قرباں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

کوڑی پیسے دمڑی زر کی خوشامد کیجے ۔ لعل و نیلم در و گوہر کی خوشامد کیجے
اور جو پتھر ہو تو پتھر کی خوشامد کیجے ۔ نیک و بد جتنے ہیں یکسر کی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی ۔ پیار اخلاص و کرم مہر و محبت دیکھی
دلبروں میں بھی خوشامد ہی کی الفت دیکھی ۔ عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پارسا پیر ہے زاہد ہے مُناجاتی ہے ۔ جوار یا چور دغا باز خرافاتی ہے
ماہ سے ماہی تلک چیونٹی ہے یا ہاتھی ہے ۔ یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر نہ میٹھی ہو تو کڑوی ہی خوشامد کیجے ۔ کچھ نہ ہو پاس تو خالی ہی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو تو اسکی ہی خوشامد کیجے ۔ سچ اگر پوچھو تو جھوٹی ہی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل جواں خرد کلاں پیر و فقیر ۔ جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر ۔ تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیر
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اتارے کا جھونپڑا — اس سے ہے اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا
اس سے ہے بادشہ کے نظارے کا جھونپڑا — اسمیں ہی ہے فقیر بچارے کا جھونپڑا
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اسمیں ہی بھولے بھالے اسی میں سیانے ہیں — اسمیں ہی ہوشیار اسی میں دوانے ہیں
اسمیں ہی دشمن اسمیں ہی اپنے یگانے ہیں — شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں کمانے ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اسمیں ہی لوگ عشق و محبت کے مارے ہیں — اس میں ہی شوخ حسن کے چاند اور ستارے ہیں
اسمیں ہی یار دوست اسی میں پیارے ہیں — شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اسمیں ہی اہل دولت و منعم امیر ہیں — اسمیں ہی رہتے سارے جہاں کے فقیر ہیں
اسمیں ہی شاہ اور اسی میں وزیر ہیں — اسمیں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں

۱؎ جھونپڑا۔ اب جھوپڑا بولا جاتا ہے۔ واؤ کے بعد نون نہیں ہے۔
۲؎ اسمیں ہی ہے کی جگہ اب اسی میں ہے بولتے ہیں۔

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
پایا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اسمیں ہی چور ٹھگ ہیں اسی میں اول ہیں | اسمیں ہی رونی خنکل اسی میں ٹھٹھول ہیں
اسمیں ہی باجے اور نقارے وڈھول ہیں | شا جھونپڑا بھی اسمیں ہی کرتے کلول ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
پایا یہ تن ہے دم کے سہارے کا جھونپڑا

اسمیں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں | بیدرد بھی اسی میں ہیں اور دردمند ہیں
اسمیں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں | شا جھونپڑا بھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
پایا یہ تن ہے دم کے سہارے کا جھونپڑا

اس جھونپڑے میں رہتے ہیں سب شاہ اور وزیر | اسمیں وکیل بخشی و متصدی اور امیر
اسمیں ہی سب غریب ہیں اسمیں ہی ہیں فقیر | شا جھونپڑا جو کہتے ہیں سچ ہی میاں نظیر

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
پایا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

چپاتی

وہ جو اب کھاتے ہیں باقر خوانی کلچہ شیرمال | ہیں وہ خاص الخاص بندگان کریم ذوالجلال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردن میں جال | جب ملی روٹی دو ہیں ہم ہوتے تھا سب نہال

دو چپاتی کے ورق میں سب دنی و شیں ہے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ نواب مرد خدا ہیں قوت جسکا نور ہے — وہ ملائک ہیں وہاں روٹی کا کیا مذکور ہے
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور ہے — ہم شکم بندوں کا تو یار وہی دستور ہے
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی پڑی جب تک تو یار و خیر ہے — گر نہ ہو پھر غیر کیا اپنی ہی جی سے بیر ہے
کھاتے ہیں وہ تر نوالے آسماں پر سیر ہے — آسماں کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دسترخوان پر — لے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سب کے دھیان پر — کیا خدا کا نور برسے ہے پڑا ہر نان پر
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب نہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا — کھیل پھر بگڑا پڑے یاں حال کا اور قال کا
گر نہ ہو روٹی تو کس کا پیر کس کا بالکا — وصف کس منہ سے کروں میں نان کے احوال کا
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک تو عالم تھا سیاہ — جب پڑی روٹی تو پہنچی عرش کے اوپر نگاہ
کھل گئے پردے تھے جتنے ماہی سے تا ماہ — کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یارو واہ واہ

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

یوں چمکتا ہے پڑا ہر آن گردہ نان کا　　جان آتی ہے لئے سے نام دستر خوان کا
چاند کا ٹکڑا کہو نہیں یا کہ ٹکڑا جان کا　　روح ناچے ہے بدن میں نام سنکر خوان کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

حسن جتنے ہیں جہاں میں سب بھرے ہیں نان میں　　خوبیاں جتنی ہیں آکر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیہ کے ہیں دہیان میں　　پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دستر خوان پا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر　　یعنے کچھ دیکھے تجلی کی کرامت دل پذیر
کھاتے ہی دو روٹیاں دل ہو گیا بدر منیر　　کوئی روٹی سا نہیں اب پیر مرشد اے نظیر

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جاڑا

جب ماہ اگہن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

پالا بھی برف بھی گلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھونک اُچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھیو ہو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّے سے کلّہ لگ کر چلتی ہو مُنھ میں چکّی سی
ہر دانت چنے سا دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکان میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سناٹا باو کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل تب زور مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں

محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی چیٹکی لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش و طرب میں پلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں آکر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن اور تس پر
وہ دلبر شوخ پری چنچل ہو دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں
منھ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن اُنکے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالے پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب طیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو جان سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیر اُسکی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آ کر جس جس ارمان کی باری ہو
جب سب ارمان نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں   سبزوں کی لہلہاوٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں   ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں   جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں   گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا ڈونڈ رہے ہیں   مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے امنڈ رہے ہیں   برسے ہے مینھ جھڑا جھڑ بادل امنڈ رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے سر پر ہریالی سج رہے ہیں   گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں   اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے   قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے   بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی   اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بماہی   یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو
پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی
رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہمارے اب کی بھی سدھ بھلائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہی یہ گت بنائی
میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی
پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں
باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ بدھ اپنی کھو رہے ہیں
جھولے کی دیکھ صورت ہر آن رو رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے
پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے
سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ غریب کنگلے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا — یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
گرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا — مفلس بھی گر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے — دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے — مفلس سو جھونپڑے میں دل شاد سو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

*مدت سے ہو رہا ہے جنکا مکاں پرانا — اٹھ کے نہیں ہے مینہ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا — کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دوانا*
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہارین

کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے — یا ساتھیوں میں اپنے پاؤں سے پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے — بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر مست چھک رہے ہیں — مے کے گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر گھنگرو جھنک رہے ہیں — پڑتا ہے مینہ برابر طبلے کھڑک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جنکے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی — وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی — ہے ان کے سر پہ سرکی یا بورئیے کی کھوئی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ ہڑ — جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے ان پہ لٹو

* یہاں پر ۵ بند چھوٹ گئے ہیں انکو ضمیمہ میں دیکھئے

کتنوں کے گاڑی رتھ ہیں کتنوں کی گھوڑی ٹٹو　　جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہمسلے ہے نکھٹو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں　　ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں　　ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا　　ان کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
یا جن کو اپنے گھر کا ہے نون تیل لانا　　سر پر ہے ان کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی　　مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے اب سنبھلنی　　جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں　　کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر مر کتنے اکس رہے ہیں　　وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر لینے خدا کے لیجو　　کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے وائے لیجو
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے مجھکو بھی ہائے لیجو　　کوئی شور کر پکارے گرنے نہ پائے لیجو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر　　پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ ان میں آن اکثر　　ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جسمیں خرد و کبیر خوش ہیں | ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں | جتنے ہیں اب جہاں میں سب بے نظیر خوش ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کبوتر بازی

ہیں عالمِ بازی میں جو ممتاز کبوتر | اور شوق کے طائر سے ہیں انباز کبوتر
بھاتے ہیں بہت ہمکو یہ طناز کبوتر | مدت سے جو سمجھیں ہیں یہ ہمراز کبوتر
پھر ہم سے بھلا کیونکہ رہیں باز کبوتر

حیوان ہیں گرچہ یہ عجب انداز کے پر ہیں | صورت میں پری رو ہیں تو تیزی میں بشر ہیں
آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں | پرواز میں ہم شہ پرِ عنقائے نظر ہیں
کیا گولے ہوں اور کیا ہوں گرہ باز کبوتر

کیا بلبل و قمری و چہے پدڑی و بدرے | چنڈول اگن لال بئے ابلقے طوطے
کیا طوطی و مینا و بئے تیتر و تنکرے | طائر ہیں غرض بازیِ اطفال کے جتنے
کر غور تو سب میں ہیں سرافراز کبوتر

لقے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے | چینے ہیں ادھر سیمبری اپنی جتاتے
ہیں جوگئے بھی رنگ کئی جوگ کے لاتے | پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے
جب حلقہ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر

کھیرے و مٹیت و چپ نفتے و مکھرے | زرچے و دگل آنکھا اور لال آنکھ ادے و زردے

کچھ کابرے تیرے مسی وطوسی دوپلکے   پھرتے ہیں ٹھمک چال سناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر

سیلے بیئے اور گھاگھرے تنبوئے پیاں لال   کچھ اگرہیئے اور سرمئی اور عنبری اور خال
بھورے مگسی نافٹرے برے بھی خوش احوال   پھر بیترے اور کاسنی لوٹن بھی سبک بال
کھولے ہیں گرہ دل کی گرہ باز کبوتر

کوکر کے جدھر کے تئیں چھیپی کو ہلادیں   کچھ ہووے غرض پھر وہ اسی سمت کو جاویں
کنّی کو نہ پھڑکاویں تو پھر نہ کو نہ آویں   چھوڑان کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگاویں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

کوّا اور ہرن

اک دشت میں سنا ہے کہ اک خوب تھا ہرن   بچہ ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن
پھرتا تھا چوکڑی کا دکھاتا مزا ہرن   دیکھا جو ایک کوّے نے وہ خوشنما ہرن
دلکو نہایت اسکے وہ اچھا لگا ہرن

اور باتیں کر کے کوّے نے اسکو لگا لیا   دم میں ہرن بھی کوّے کی الفت میں آگیا
کوّے ہرن میں ٹھہری جو گہری محبت آ   کوّا جدھر جدھر کو خوشی ہو کے جاتا تھا
پھرتا تھا اس کے ساتھ لگا جا بجا ہرن

اک گیدڑ اُس ہرن کے گئے آ کے ناگہاں   بولا ہزار جان سے ہیں تجپہ ہوں نثار
مجھ کو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار   اور دل میں یہ کہ کیجے کسی طور سے شکار
اُس کے دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن

گیدڑ یہ کہکے مکر سے جس دم گیا اُدھر　　کوّا ہرن سے کہنے لگا کرکے شور و شر
یہ سخت مکر باز ہے کر اس سے تو حذر　　اک دن دغا سے تجھ کو یہ پکڑیگا فتنہ گر
سنکر یہ بات کوّے کی چپ ہو رہا ہرن

دن دوسرے ہرن کنے گیدڑ پھر آگیا　　کوّے کو روتا دیکھ یہ بولا وہ پر دغا
میں آج دیکھ آیا ہوں کیا کھیت اک ہرا　　تم کھاؤ اُس کو چل کے تو ہو شاد دل مرا
سنتے ہی اُس کے ساتھ اُچھلتا چلا ہرن

جب کھیت پر یہ لے کے گیا اُسکو بد سگال　　واں پہلے دیکھ آیا تھا صیاد کا وہ جال
لے پہنچا جب ہرن کے تئیں کھیت پر شغال　　جاتے ہی واں ہرن نے دیا منھ کو اپنے ڈال
منھ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن

واں پھڑ پھڑا کے کوا ابھی پیش آیا ناگہاں　　گیدڑ کو دیکھے گا کہ ہرن سے کہا کہ ہاں
تڑپے مت اسمیں ورنہ تو ہو ویگا ناتواں　　کوّے کی بات سنتے ہی ہمت کو باندھ واں
جیسے کہ گر پڑا تھا وہیں پھر اُٹھا ہرن

گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ　　کوا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ
یا اک گھڑی تو ایسی لگا پانوں کی جھپٹ　　جاوے جو اسکے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ
سنتے ہی پھر تو سینگ ہلانے لگا ہرن

گیدڑ نے خوب کوّے کو دیں جلکے گالیاں　　صیاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں
اس میں شکاری آ گئے ہوا دور سے عیاں　　کوّا پکارا لیٹ جا دم بند کر کے ہاں
دم بند کر کے اپنا بس گر پڑا ہرن

گیدڑ نے اس کو دیکھ کے لی آڑ جھاڑ کی　　صیاد اس ہرن کو پڑا دیکھ اُس گھڑی

افسوس کر کے دام کی رسی وہ کھول دی ۔ کوا پکارا بھاگ ارے وقت ہے یہی
سنتے ہی واں سے چوکڑی بھر کر اڑا ہرن
صیاد نے جو دیکھا ہرن اٹھ چلا چھپاک ۔ جلدی سے دوڑ پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اس نے تاک ۔ بھاگا ہرن وہیں لگا گیدڑ کے آکھٹاک
سر اس کا پھوٹا اور وہ سلامت رہا ہرن
گیدڑ نے اس ہرن کا جو چیتا تھا واں بُرا ۔ پائی اسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
تھا یہ تو نثر میں سنے اسے نظم میں کیا ۔ پہنچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش ہوا ہرن

جوانی بڑھاپے کی لڑائی

جہاں میں یارو جوانی کی کیا خدائی ہے ۔ کہ ہر کسی کو تکبّر ہے خود نمائی ہے
ادھر جوانی بڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے ۔ اُدھر بڑھاپے کی اُس پر ہوئی چڑھائی ہے
عجب جوانی بڑھاپے کی اب لڑائی ہے
جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار ۔ بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ہوئے ہیں دونوں جو لڑنے کیواسطے تیار ۔ ادھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار
بڑھاپے نے بھی اُدھر لاٹھی اک اٹھائی ہے
ادھر ہے تیر سا قامت اُدھر وہ ٹیڑھی کمان ۔ ادھر وہ ٹیڑھا بدن اور اُدھر اکڑ کے نشان
جوانی کہتی ہے بڑھ کر کہ سن بڑھاپے میاں ۔ کہ تیری خیر اسی میں ہے چل سرک اس آن
وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

میں آج وہ ہوں کہ دشمن کو گھڑ گھڑ اڑا ڈالوں　　پہاڑ ہوئے تو اک دم میں ہلا ڈالوں
درخت جڑ سے اکھاڑوں زمیں ہلا ڈالوں　　ابھی کہے تو تری دھجیاں اڑا ڈالوں
کہ مجھ کو زور کی قوت کی پادشاہی ہے

کہا بڑھاپے نے گر زور تجھ میں ہے بجا　　تو ہاں جی دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا
اگرچہ زور ہمارے نہیں ہے تن میں رہا　　مسوڑوں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالیں چبا
نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہے

اگرچہ تو ہے نیا ہم پرانے ہیں لیکن　　نیا ہے نو دن آخر پرانا ہے سو دن
ہزار گو کہ ترا زور پر چڑھا ہے سن　　پہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان ابھی مروڑے بن
کہ تو نے آکے بہت دھوم یاں مچائی ہے

کہا جوانی نے تیرا تو اب ہے کیا احوال　　تو میرے کان مروڑے کہاں یہ تیری مجال
نہ تیرے پاس طمنچہ نہ تیر سیف نہ ڈھال　　ابھی گھڑی میں نکھرتا پھرے گا ایک اک بال
یہ ڈاڑھی تو نے جو مدت میں اب بڑھائی ہے

کہا بڑھاپے نے سنکر کہ تو اگر ہے پہاڑ　　تو ہم بھی سوکھے جھڑبیری کے ہیں جھاڑ
ابھی کہے تو ترے کپڑے لتے ڈالیں پھاڑ　　ذرا سی بات میں اک دم کے بیچ لیویں اکھاڑ
ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

یہ سن کے بولی جوانی کہ چل نہ کہہ تو بات　　ابھی جو آن کے ماروں تری کمر میں لات
کہیں ہو پانوں کہیں سر کہیں پڑا ہو ہات　　جسے تو جینا سمجھتا ہے اور خوشی کی بات
وہ تیرا جینا نہیں ہے وہ بے حیائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تو نے جھوٹ کہا　　تو پوچھ سچ [illegible] کو مزہ ہے جینے کا

شراب ہو جو پرانی تو اُڑ چلے ہے نشا پرانے جب ہوئے چاول تو ہے انھیں میں مزا
قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کو چاہ جہاں تو ہو چکی بس پھر دیں ہے حال تباہ
ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عمر نباہ تو آپ ہی دیکھ گریباں میں ڈال کر منھ آہ
کہ اب ہے کس میں وفا کس میں بیوفائی ہے

جوانی جب تو یہ بولی بڑھاپے سے سن کر تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر
میں جب تلک ہوں بھلا ہیں تری اگر سر سر جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی تو بھی ہے خوشتر
مزے لے اور لوٹ لئے کو کہ پھر گدائی ہے

بڑھاپے سے کہا اس نے پایا مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
بزرگی اور مشیخت بڑھاپے میں ہے سدا تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا
تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پہ آئی ہے

جو نہیں جوانی نے خواری کا منھ سے نام لیا بڑھاپا دوڑ جوانی سے دوبدو میں آ لپٹا
مروڑیں مونچھیں ادھر اس نے ڈاڑھی کو کھینچا لڑے جو دونوں بڑا ہر طرف یہ شور مچا
کہ یارو دوڑیو فریاد ہے دہائی ہے

کھڑے تھے لوگ ہزاروں یہ دونوں لڑتے تھے گھڑی پچھاڑتے تھے اور گھڑی پچھڑتے تھے
جو بازو چھوڑتے تھے تو کمر پکڑتے تھے ہر اک طرف سے نئے گھونسے لات چلتے تھے
تو سب یہ کہتے تھے کیا ان کے جی میں آئی ہے

یہ مار کوٹ کا آپس میں جب ہوا ہنگامہ نظیر اس میں وہیں اک ڈھیٹ بھی آیا
کچھ اس کو روکا ادھر اور کچھ اس کو سمجھایا تو اپنے اپنے خوش رہو یہ اپنے خوش رہیں ہر جا

ملاپ خوب ہے لڑنے میں کیا بڑائی ہے

فنا

گر شاہ سر پہ رکھکر افسر ہوا تو پھر کیا — اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مراتب گر زر ہوا تو پھر کیا — نوبت نشاں نقّارہ در پر ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا

کیا رکھ کے فوج لشکر کی سلطنت پناہی — پھیری دہائی اپنی لے ماہ تا بماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی — پھر سر رہا نہ لشکر نے تاج بادشاہی
دارا جم و سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا ذات میں کہائے نامی اصیل ذاتی — جمشید فر کے پوتے نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ مثل دولھا اور فوج تھی براتی — جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتھی
ملک و دکاں خزانہ لشکر ہوا تو پھر کیا

یا راج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا — چتور گڑھ ستارا کالنجرا بنایا
جب توپ نے اجل کے آ مورچہ لگایا — سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا
گڑھ کوٹ توپ گولہ لشکر ہوا تو پھر کیا

کتنے دنوں یہ غل تھا نواب میں خاں میں — یہ ابن شہزاری یہ عالی خانداں ہیں
جاگیر و مال و منصب جو آج اگلے یاں ہیں — دیکھا تو اک گھڑی میں بے نام بے نشاں ہیں
دو دن کا شور رچ چا گھر نگر ہوا تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے ڈوبا فوجوں میں ہو دلاور — مارے سے پیچھے ہٹا نے کھائی کٹار جدھر

مارا قضا نے بھالا جب دم فنا کا آ گرا   پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی برابر
خود و سلاح حلقہ بکتر ہوا تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑ کر کھایا بدن میں ٹانکا   موچھوں کو تاؤ دیکر سو دو وت دات ہانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا   ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا
تیغا سپر قرابیں جمدھر ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت   مردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کر کرامت
کھوئے مرض ہزاروں دھوئی ہر اک زحمت   جب آئی سر پر اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت
لقمان اور فلاطوں آ کر ہوا تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا   سورج گہن بچارے چندر گہن نکالا
برج و ستارے باندھے احکام کو سنبھالا   جب وقت اپنا آیا اس وقت کو نہ ٹالا
جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور کر کے علم حاصل   یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل   ملا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل
تعویذ فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا   پوتھی بغل میں دابی تو تار کو سنبھالا
پوجا کتھا بکھانی کیا کیا شبد نکالا   کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا
وید و پران پڑھ کر مسر ہو تو پھر کیا

یا لے کے اک قلمدان اور رکھ قلم کو سر پہ   جو جوڑے حساب لاکھوں جھڑے لکھے سراسر
جب عمر کی کچہری جا نکلی قضا لئے آ کر   پھر آپ نے قلمداں کاغذ رہا نہ دفتر

منشی وکیل دیواں مرمر ہوا تو پھر کیا

یا لے قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی — محضر قبالہ لکھے تقضیے چکائے شرعی
اعلام لے قضا کا جب آ فنا پکاری — پھر محکمہ نہ جھگڑا قاضی رہا نہ مفتی
کوڑا لبسید دُرّہ در بر ہوا تو پھر کیا

کتوال بن کے بیٹھا یا صدر ہو مقرر — فاسق ڈرے ہزاروں اور چور کانپے تھر تھر
جب مرد ہا قضا کا آیا چھڑی اٹھا کر — کتوالی اور صدارت سب اڑ گئی ہوا پر
دو دن کا خوف خطرہ اور ڈر ہوا تو پھر کیا

کہتے ہیں کتنے ہم تو ہیں ذات میں کلال جی — ہم شیخ ہم مغل ہیں ہم ہیں پٹھان ہاں جی
جس دم قضا پکاری اب اٹھ چلو میاں جی — پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی
ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت — یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
کھولیں قضا نے بہیاں جب کر کے اک اشارت — سب کوٹھی اور دکانیں کر ڈالیں دم میں غارت
مال و مکاں جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا کہایا — بلدار باندھ چیرہ طرے کو جگمگایا
کھیتوں میں جا کے کودا لاکھوں کے بیچ گھس گیا — جب منہ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا
یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی دیکھو یہ ہیں امیر خاں جی — اور یہ ہیں خان خاناں اور یہ ہیں میر خاں جی
بیٹھا اٹھا قضا کا جب آ کے تیر خاں جی — پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی
[illegible] تونگر یا زر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا — یہ پالکی یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا — خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا
چھپاں سگ ڈمبر در پہ ہوا تو پھر کیا

کتنوں کو بادشاہی کیا کیا خطاب آیا — مہریں بڑی گھڑائیں سکہ بڑا جمایا
جب آن کر قضا نے نام و نشاں مٹایا — وہ نام اور وہ سکہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا
دو دن کا مہر چھاپا در پہ ہوا تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا — کر بند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
لے کر سند اجل کا جب چوبدار آیا — اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا
بانی حصار ٹھٹھا بھگر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی لشکر ہے طرہ باز خاں کا — یہ خیمہ شامیانہ ہے شہسوار خاں کا
آیا کٹک اجل کے جب یکہ باز خاں کا — پھر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں کا
سردار میر بخشی بڑھ کر ہوا تو پھر کیا

ہاتھی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصے گھوڑے اوپر — یا پالکی سنبھالی یا پالکی کی جھالر
باسے صراحی حقہ دوڑے جلیب اندر — جب آ اجل پکاری صاحب بانہ نوکر
آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا

یا پی کے مے کسی نے کی عیش کامیابی — نشہ میں لوٹا ہر جا کر دل سے بے حجابی
جس دم قضا نے اپنی جھمکائی اک گلابی — پھر نے رہی نہ مینا نے مست نے شرابی
اک دم لبوں پہ مے کا ساغر ہوا تو پھر کیا

حسن و جمال پا کر یا خوبرو کہایا — یا عشق میں کسی نے جی جان کو گھٹایا

اگر پڑا سروں پر جس دم اجل کا سایا — دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈا کہیں نہ پایا
عاشق ہوا تو پھر کیا دلبر ہوا تو پھر کیا

یا ہو کے پیرزادے کرنے لگے فقیری — کرکے مرید کتنے کی ان کی دستگیری
جب پیرہن کی کفنی آخر اجل نے چیری — سب اڑ گئی ہوا پر دم میں مریدی پیری
مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو نویلے — یا خود منڈے رکھا کر سو روپ رنگ کھیلے
میلے گئے ہزاروں مونڈے فقیر چیلے — جب آ قضا پکاری جا سو رہے اکیلے
تکیہ ہوا تو پھر کیا بستر ہوا تو پھر کیا

جوگی اتیت جنگم یا سیورا کہایا — یا کھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈایا
ترسول لے قضا کا جب وقت سر پہ آیا — نے بالکے کو تھاما نے آپ کو بچایا
نانک کبیر منہتی بھر تھر ہوا تو پھر کیا

یا نیک بن کے بیٹھے اچھے لگے کہانے — یا ہو گئے بد ہر اک کے دلکو لگے ستانے
آکر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے — کتنے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے
بہتر ہوا تو پھر کیا بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو و مسلماں کیا ترسا گبر و کافر — نقاش کیا مصور کیا خوشنویس و شاعر
جتنے نظیر ہیں یاں اک دم کے ہیں مسافر — رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر
دو چار دن کی خاطر یاں گھر ہوا تو پھر کیا

سب مرنیوالے ہیں

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا　　دل تنگیوں سے اور کوئی اکتا کے مر گیا
عاقل وہ تھا جو آپ کو سمجھا کے مر گیا　　بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مر گیا
دکھ پا کے مر گیا کوئی سکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

دن رات دُن مچی ہے یہاں اور پڑی جنگ ہے　　چلتی ہیں نت اجل کی سناں گولی اور تفنگ
جسکا قدم بڑھا وہ موا وہیں بے درنگ　　جو جی چھپا کے بھاگا تو اسکا ہوا یہ رنگ
وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو کل　　یا چپ گزاری عمر و یا دھوم کر چُہل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گل　　کام آئی کچھ کسی کی خموشی نہ شور و غل
چپکے کوئی موا کوئی چلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک با وضو　　کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بکو
ناپاکی پاکی موت کے ٹھہری نہ روبرو　　کوئی عبادتوں سے موا ہو کے سرخ رو
ناپاک رو سیاہ بھی پچھتا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کر دل کے آئینے کے تئیں صاف ایکبار　　کشف قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار

جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گزار   کام آئی روشنی نہ کرامات کی بہار
کامل فقیر خلق میں کہلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا   یا مفلسی میں ایک نے خونِ جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا   سوکھی کسی نے روٹی چبا غم میں جی دیا
قلیہ پلاؤ زردہ کوئی کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر میں بھرا   یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا   پولے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکاں محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گیسو بڑھا کے کوئی مشایخ ہوا یہاں   یا بے نوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مرشد اجل کا قدم آیا درمیاں   کوئی تو لمبی ڈاڑھی لئے ہو گیا رواں
مونچھیں بھویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گر ایک بے وقار ہوا ایک قدر دار   سر پر لگا جب آن کے تیغِ اجل کا وار
بے قدری کام آئی کسی کا نہ کچھ وقار   تھا بچیا سو وہ تو موا کھو کے ننگ و عار
اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کوئی موتی چابتا تھا کوئی موٹھ اور مٹر　　جب دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر　　یہ خاک پر موا وہ موا تخت کے اوپر
تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا اوچھی ذات پات کے اشراف کیا نجیب　　قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے ہوئی نصیب
جب دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی حبیب　　کیا ہوشیار عاقل و دانا و کیا طبیب
کوئی خزانے خاک میں گڑوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پیر و مرید شاہ و گدا امیر اور وزیر　　سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس غریب صاحبِ تاج و علم سریر　　کوئی ترس ترس کے موا غم میں اپنے نظیر
کوئی ہزار دل عیش کی ٹھہرا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

موت سے غفلت

جب یار نے اٹھائی چھری تب خبر پڑی　　اور دوں ہی اک بدن پہ چھری تب خبر پڑی
الفت کی آگ دل میں پڑی تب خبر پڑی　　جب آنکھ اس صنم کی لڑی تب خبر پڑی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

جب تک چڑھی جوانی تھی اور بال تھے سیاہ　　الفت کسی سے پیار محبت کسی سے چاہ
آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خواہ مخواہ　　پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ

دلبر نے دی پھر اس سے کڑی تب خبر ہوئی

تھے جب تلک کہ دھیر رہے تو بھی ولولے — اور جب سفید ہو کے ہوئے برف کے ڈلے
یاروں سے تب یہ بولے کہ لو یار ہم چلے — لائے تھے ہم تو عمر پٹا یاں لکھا دئے
جب سیاہی پر سفیدی چڑھی تب خبر پڑی

داڑھی کی جب کہ رات گئی اور سحر ہوئی — تو بھی یہ دل میں خوش تھی کہ مرنا نہیں ابھی
دلبر کھڑا بجا وے تھا گھڑیال عمر کی — سن سن کے سن تو ہوتے تھے پر کچھ خبر نہ تھی
باجی جب آ گجر کی گھڑی تب خبر پڑی

اس حال پر بھی کچھ نہ ہوئی دید اور شنید — دانتوں پر اسمیں آن کے بل چل پڑی شدید
منشی قضا کا لکھنے لگا جنس کی رسید — ڈاڑھیں لگیں اُکھڑنے تو دنداں ہوئے شہید
مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی

اُس پو پلے ہی مُنہ سے لگے کرنے پھر نباہ — کانوں کے اس میں آن کے پردے ہوئے تباہ
گردن پھر اسمیں ہلنے لگی کم ہوئی نگاہ — بن دانت بھی ہنسنے پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ
جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

ڈھاتے تھے واں غرور تو تن کی محل سرا — یہ گھر بنا رہے تھے دوا لیں اٹھا اٹھا
اسمیں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آ چڑھا — شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی یہ کڑی تب خبر پڑی

کبڑے ہوئے تو جب بھی نہ سمجھے یہ ہوشیار — یعنی کہ اب تو باندھنے گھوڑے یہ بوجھ بھار
پھر اسمیں آ کے سر نے لیا پانوں پر قرار — چوگاں سے کمر کے تئیں سر کی گیند مار
کھیلا جب آ کے گیند تڑی تب خبر پڑی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکاں — تھے غرق لین دین میں اور کچھ بھی نہ دھیان
لیکھا جب اسمیں عمر کا ڈبو ڑھا ہو جب آن — کپّا جو لنڈھ چلا نہ ہوا تب بھی کچھ گیان
جب لٹ گئی دھڑی کی دھڑی تب خبر پڑی

بستر پہ جب تو آن پڑے لوٹ کر نڈھال — اٹھنے دے کون آہ جو کروٹ ہوئی محال
ہونے لگی فرشتوں سے نظروں میں قیل و قال — جی غش میں ڈوبا تو بھی نہ تھا کوچ کا خیال
جب سانس آ گلے میں اڑی تب خبر پڑی

چھاتی پہ چڑھ قضا نے لیا جب گلے کو گھونٹ — پانی کا پھر تو آہ نہ اترا گلے سے گھونٹ
اکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ چھوٹ — پنجہ دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب چاپ نے گلے کی نرٹی تب خبر پڑی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کہار — اور غل مچا کے بولے کہ جلدی سے ہو سوار
اسمیں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار — کپڑے بدل کے عطر لگا پہن پھول ہار
نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن — کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر کے بین
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا گون بے وطن — جب آ گئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

سواریاں

کیا کیا جہاں میں اب ہیں ہماری سواریاں — دلچسپ و دلفریب ہیں پیاری سواریاں
کس کس طرح کی ہم نے سنواری سواریاں — پر ہم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا — کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جا بجا
جس دم اجل نے تختے کے اوپر دیا سُلا — اس تخت کے بھی ہو گئے تختے جدا جدا

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی جو تھے پہاڑ کی مانند تن سیاہ — جن پر کسیں عماریاں رخشندہ رشکِ ماہ
ہودوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ — کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

جب کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے — جن پہ سنہرے زین جواہر کے تھے پڑے
ٹانگن بھی ہنہناتے رہے چھوٹے اور بڑے — مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی بنی تھی سنہری جو زر نگار — جھالر پہ جس کی موتی تھے ٹانکے بڑے نثار
لا ناگہی پہ موت نے جب کر لیا سوار — پھر وہ نہ پالکی نہ وہ جھالر نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھے تھے جن میں چھیل چھبیل — بجتے تھے زنگ اور تھے کلس انکے جوں سہیل

رتھ بان نے اجل کے جوں میں کرلیا وبیل پھر کس کی چھتری بیٹے کہاں اور کہاں گئے بیل
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
چھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
وہ گاڑیاں جو دوڑتے تھیں گھوڑوں سے بیشتر ناگوری ان کے ہاتھی کے پاٹھے سے خوبتر
پہیا قضا کے ہاتھ سے جب اُلٹا آن کر گاڑی اُدھر اُلٹ گئی مالک گرا اِدھر
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
چھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
گھر بہل، فیل بہل، شتر بہل راہ وار ہرنوں کی بہل، بکری بہل گھنٹے گھنگرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
چھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
میانہ محافہ اور وہ چنڈول نگھیاں وہ پینسیں وہ بوچے وہ چوپالے خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو گھر گھڑیا پر رواں بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا میاں
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
چھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
چھکڑے لڑھے شتر بہل اور رہکلے خچر ٹٹو، حمار، بھینسے وہ لدنے کے گورخر
لگ چلا جو موت کے تانگے کو چھیڑ کر بھینسا گیا نہ ساتھ نہ ٹٹو نہ گاڈر
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
چھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار جب اجل کا ہوا آن کر اسیر　　گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب جوان پیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر　　یہ بات تو عیاں ہے کہوں کیا میاں نظیر
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

موت کا دھڑکا

دنیا کے بیچ یارو سب زیست کا مزا ہے　　جیتوں کے واسطے ہی سب ٹھاٹھ اور سب ٹھاٹھا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے　　نے باپ ہے نہ بیٹا نے یار آشنا ہے
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو مرنا بری بلا ہے

جیتوں کے دل کو ہر دم کیا عیش پے بہ پے ہے　　گلزار ناچ سیر یں ساقی صراحی مے ہے
جب مر گئے تو ہر گز نے ہے نہ کوئی شے ہے　　اس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں ہے ہے
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو مرنا بری بلا ہے

ہے دم کی بات جو تھے مالک یہ اپنے گھر کے　　جب مر گئے تو ہر گز گھر کے رہے نہ در کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہگزر کے　　پوچھا نہ پھر کسی نے یہ تھے میاں کدھر کے
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو مرنا بری بلا ہے

مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتا دے　　بیٹا نہ پاس آوے بھائی نہ منہ لگا دے

جو دیکھے انکی صورت دہشت سے بھاگ جاوے　　اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے

مرنے کا نام مت لو مرنا بری بلا ہے
پیتے تھے دودھ شربت اور جابتے تھے میوا　　مرتے ہی پھر کچھ ان کا سنگ نہ رہا نہ سیوا
بچے یتیم ہوے بیوی کہائی بیوا　　اس مرگ نے اکھاڑا کس کس بدن کا لیوا
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے

مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے
جب روح تن سے نکلی آنا نہیں یہاں پھر　　کاہیکو دیکھتے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر
ہاتھی یہ چڑھ کے بالا پھر گھوڑے پہ چڑھینگے واں پھر　　جب مر گئے تو لوگو یہ عشرتیں کہاں پھر
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے

مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے
گھر ہو بہشت جنکا اور بھر رہی ہو دولت　　اسباب عشرتوں کے محبوب خوبصورت
پھر مرتے وقت ان کو کیونکر نہ ہووے حسرت　　کیا سخت بے بسی ہے کیا سخت ہے مصیبت
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے

مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے
کھانیکو انکو نعمت سو سو طرح کی آتی　　اور وہ نہ پاویں ٹکڑا دیکھو تم ان کی چھاتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہے جاتی　　لیکن نظیر سب کچھ یہ موت ہے چھڑاتی
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے

مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے

حصۂ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ الٰہی

یارب ہے تیری ذات کو دونوں جہاں میں برتری　　ہے یاد تیرے فضل کو رسمِ خلائق پروری
دائم ہے خاص عام پر لطف و عطا حفظ آوری　　انساں کیا کیا طائراں کیا وحش کیا جن و پری
پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

تو خالقِ ارض و سما تو حاکمِ قدرت نما　　ہے حکم تیرا جا بجا لے عرش تا تحت الثریٰ
برتر مقدس ذوالعلا بندے ترے شاہ و گدا　　دنیا و دیں کی یا خدا برحق تجھی کو ہے روا
فرماں روائی حاکمی شاہی خدائی سروری

قدرت نے تیری ہر زماں بیکر زمیں تا آسماں　　کیا کیا بہاریں کیں عیاں کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں محبوب حسن آرائیاں　　حقا تری صنعت یہ ہاں ہیں ختم لاریب گماں
رنگینی و طراحی و نقاشی و صورت گری

تو نے بنائے سب فلک پیدا کیے حور و ملک　　انساں صبیح و پرنمک حیواں عجائب یک بیک

ہر جا تجلی اور چمک بے انتہا نور اور جھلک — کہتی ہے دانش انکو تک ہے یہی قدرت کی جھلک

چمکے ہیں جس سے اسقدر خورشید و ماہ و مشتری

تو قادر و سبحان ہے اقدس معلا شان ہے — خالق ہے اور رحمان ہے رزاق اور منان ہے

تیرا کرم ہر آن ہے احسان بے پایان ہے — ہمکو یہی شایان ہے جبتک بدن میں جان ہے

ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں کیا کیا بیاں انکا کریں — آتی نہیں کچھ فہم میں حیرت کہ ان کو تاب ہیں

کیا کیا بنائیں نعمتیں کیا کیا بنائیں رحمتیں — کیا شکر ان کا کر سکیں لیکن یہی ہر دم کہیں

یارب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں اور تو ہی خیر الراحمیں — یکتائی ہے تیرے تئیں ہمسر ترا کوئی نہیں

لے آسماں سے تا زمیں ہیں سب عیاں [illegible] — ہے [illegible] قریں جانے ہے باصدق و یقیں

[illegible] ہر طرف [illegible]

کل عالم تیری یاد کرے

اس ارض و سماں کے عرصے میں یہ جتنا جھم جھما ہے
یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیوان پکھیرو نر ناری کیا بوڑھا بالک بچا ہے
کیا دانا بینا ہوش بھرا کیا بھولا ناداں کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب ہے کیا سچا ہے
کوئی خالق باری رب مولا رحمان رحیم اللہ تنگرہ،

کوئی الکھ روپ کرتار کہے نرکال نرنجن نردھاری
کوئی رام رام کہہ کر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری
کیا دانا دینت دیو اٹل کیا راچھس دیوت جن و پری
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

پھلواڑی باڑی باغ چمن ہے سب کو تیری یاد بھلی
تو مالی والی رکھوالی کیا برچھ پھلی کیا پیڑ بلی
کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہے سب کے دل میں یاد دھلی
کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل کیا ٹہنی پتا کلی کلی
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

دریا سمندر جھیل نہر ندی نالے ڈبرے جوہر
سیپی گھونگے کوڑی موتی گھڑیال اور ناکے سوس مگر
جونکیں بھینسیں گوہیں جھینگے مرغابی بطخ بسیل انبر
کیا لاچی بروی اور بھنور کیا کچھ مچھ اور کیا جی جنتر
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہوشیار و دانا مست سڑا عیار نظر ناقص کامل
سردار غریب ادنیٰ اعلیٰ زیرک سیانا ناداں چنچل
رمال نجومی گھڑیالی ملا بہمن پنڈت عاقل
کیا بید مہندس ابجد داں کیا عالم فاضل کیا جاہل
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

سیارہ ثوابت لوح و قلم جنات عدن فردوس نرگ
خورشید سے لے مہتاب تلک مہتاب و لے خورشید تلک

آثار طبق قوس جدی میزان اسد سرطان ہر یک
کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش بریں کیا حور و ملک
کل عالم تیری سیر کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہیں دشت و بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل
ویرانہ پربت جھاڑ شجر بوٹی جھاڑی اور پیڑ جبل
پیلو پاکھر نرما سنبھل کچنال سنبھالو بڑ پیپل
کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل اور تھل
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

رابیل نگیر اور مولسری مدمالت بیلا اور سمن
دوپہری گیندا گل لالہ نافرماں کرنا بال ملدن
جائی جوئی شبو نرگس سنگار چنبیلی سیم بدن
کیا پھول گلابی گل طرہ کیا ڈیلا بانکا سکھ درشن
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

انگور سنگترہ نارنگی بر سیب سدا پھل سیتا پھل
نارنج بجنبیلی اور کوے کھٹے میٹھے کمرکھ کلکل
انب املی جامن ملکسری بادام چھہارے اور جاپھل
کیا گولر کھٹے مولسری کیا شفتالو کیا کٹھل بڑہل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گرُھ د و سیکھ کلنگ اور باز کوئی سارس بگلا کوئل تیتر
سرخاب و تیتی زاغ و زغن یہ مرغ اور سارس مور شتر
بھری لگھڑ طوطا مینا ہد ہد شکرے باستے تیتر
کیا بلبل قمری لعل بیا کیا مکھی بھنگا اور مچھر
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا شیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑ
سیہی نیولا سانڈا بچھو افعی چیتل چیتی اژدر
گج کوہی پاڑا اگر گ چرغ گرگٹ چل پاسہ موش دگر
کیا جل مانس کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ابدال قطب اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے دل سب کا
کیا گیانی دھیانی نارد من کیا جوگی جنگم گرہ چیلا
تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا
کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے !

معرفت الٰہی

نہاں اسے اپنے دل تنگ میں پہچان (۱) ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان

(۱) ہر نظم میں نظیر نے صحت الفاظ کا خیال نہیں رکھا۔

ہر رنگ میں بارنگ میں نیرنگ میں پہچان　　منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان　　ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم ارادہ میں ہر آہنگ میں پہچان　　ہر صوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل　　نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل
آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل　　ملتا ہے کوئی رائے چنبیلی کا کوئی تیل
کرتا ہے کوئی ظلم کہ لیتا ہے کوئی جھیل　　باندھے ہیں کہیں تلوار اٹھاتا ہے کوئی سیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سودا کوئی ڈنڈ پیل　　جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب کھیل
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال　　چھانے ہے کوئی خاک اڑاتا ہے کوئی مال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے برا حال　　روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
ناچے ہے کوئی شوخ بجاتا ہے کوئی تال　　پہنے ہے کوئی چیتھڑے اوڑھے ہے کوئی شال
کرتا ہے کوئی ناز دکھاتا ہے کوئی بال　　جب غور سے دیکھا تو اسی کی ہے یہ سب چال
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآں بغل مار　　کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کی سماچار
پہنچا ہے کوئی پار کھٹکتا ہے کوئی وار　　بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی زار

عاجز کوئی بےکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار — مفلس کوئی لاچار تو انگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماندا کوئی اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی نبی دوست کوئی جان کا دشمن — بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سمرن — چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
نکلے ہے جواہر کے پہن کر کوئی ابرن — لوٹے ہے کوئی خاک میں رو رو کے ملا تن
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ فن

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات — دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سموات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات — اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں دیہات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات — شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں ذرات — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر سیم طلا رانگ — مارے کوئی پارے کو بنائے کوئی مرگانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے لیتا ہے کوئی مانگ — محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ
ٹھہرا ہے کوئی چور لگاتا ہے کوئی تھانگ — ملتا ہے کوئی پوست کو چھانے ہے کوئی بھنگ

گھنٹا ہے کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب سوانگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی پیتا ہے کوئی کیف کوئی مے کی گلابی
مارے ہیں زٹل کوئی کوئی جیب ہے دابی سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی ہیں اسکی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا رنگ یہ رنگوایا ہے اللہ ہی اللہ کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایا ہے اللہ ہی اللہ کیا مہر ہے کیا مایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے اللہ ہی اللہ کیا بھید نظر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہمہ اوست

وہ رنگ کہیں لعل بدخشان میں آیا نیلم میں کہیں وہ درِ غلطان میں آیا
یاقوت میں الماس میں مرجان میں آیا جب حسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا

بے رنگ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے — موتی میں ہوا آب ستاروں میں ضیا ہے
تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے — نزدیک وہ سب سے ہے جہاں اُس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبلِ نالاں — کیا باغ چمن بختہ یا زیر خیاباں
سب ملکے یہی بات پکارے ہیں ہر اک آن — گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا ارض و سما حور و ملک دیو پری جن — کیا وحشی و طائر نہیں اک دم کوئی اُس بن
ہر رات یہی بات یہی ذکر ہے ہر چھن — اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

ماٹی ہے کہیں خاک کا پتلا وہ ہوا ہے — یار وہ جن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
اپنی کو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے — حرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

آکر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ — اور حال کہیں کرتا ہے لا منہ کے اوپر جھاگ
جو اُس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ — مطرب وہی آواز وہی ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی کیا پستئی کیا اخضر و احمر — کیا سوسنی کیا کشمشی کیا ابیض و اصفر
اب مثل نظیر اس چمن دہر کے اندر — بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

مطلوب حقیقی کی جستجو

میاں میں کیا کہوں احوال کی اپنے پریشانی   لگا ڈھلنے مری آنکھوں سے اک دن خود بخود پانی
یکایک آ پڑی اس دم مرے دل پر یہ حیرانی   کہ جسکی ہو رہی یہ جو ہر اک جا ہے ثنا خوانی
کسی صورت سے اسکو دیکھئے کیسا ہے وہ جانی

چڑھا اس فکر کا دریا پھر اس جوش میں آ کر   کہ اک اک لہر اس کی نے اڑا لایا ہوا اوپر
قرار و ہوش و عقل و صبر و دانش یہ گئے یکسر   اکیلا رہ گیا عاجز غریب و بیکس و بے پر
لگا رونے کہ اس مشکل کی ہو اب کیسے آسانی

یہ صورت تھی اسی دل میں کہ دھن اک دم لڑا ڈالی   منکا تھوڑا سا گیروا اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
بنا مندرے گلے میں ڈال سیلی بٹا ڈالی   لگا منہ پر بھبھوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا اودھوت جوگی جوگیوں میں آپ کر گیانی

پھر اس سامان میں یارو یکایک کچھ جو جوش آیا   پٹارے درد کے تھے سو تو کاندھے پر لئے لٹکا
اٹھا کر پھاوڑی اور دھیان میں منکا پھر من کا   لیا سیندور اور ماتھے پہ کھینچا اس قدر قشقا
کہ جسکے نور سے جلنے لگی جوں شمع پیشانی

اٹھائی چاہ کی جھولی پیالہ چشم کا کھپر   بنا کر عشق کا کنٹھا طلب کا سر پہ رکھ چکر
منڈاسا گیروا باندھا رکھا ترسول کاندھے پر   لگا جوگی ہو پھرنے ڈھونڈتا اس یار کو گھر گھر
دکاں بازار کوچہ ڈھونڈنے کی دل میں پھر ٹھانی

یہ سادھا جوگ میں نے پھر کہو کیسا ہو جوگی   کوئی دنیا میں کاہے کو غرض ایسا ہوا جوگی
کہوں کیا واہ وا اس وقت میں جیسا ہو جوگی   محبت میں سراسر ڈوب کر ایسا ہوا جوگی

که میری شکل بھی ہر گز کسی نے پھر نہ پہچانی

لگی تھی دل میں اک آتش دھواں اٹھتا تھا آہوں کا — تماشے کے لئے حلقہ بندھا تھا ساتھ لوگوں کا
طلب تھی یار کی اور گرم تھا بازار باتوں کا — نہ کچھ سر کی خبر تھی اور نہ تھا کچھ ہوش پاؤں کا
نہ کچھ بھوجن کا اندیشہ نہ کچھ فکر امل پانی

تو پھر اس جوگ کا باندھا عجب کچھ آن کر نقشا — جو آیا سامنے میرے تو کہنا اس سے سنتا جا
کہو پیارے ہمارے یار کو تم نے کہیں دیکھا — جو کچھ مطلب کی وہ بولا تو اس سے اور کچھ پوچھا
وگر یوں ہی لگا کہنے تو پھر دینا انا کانی

کبھی مالا سے کہتا تھا لگا کر جیب سے اے مالا — ہوا ہوں جب سے میں جوگی تو ہی اس یار کو بتلا
کبھی گھبرا کے ہنستا تھا کبھی لے سانس رو تا تھا — لبوں سے آہ آنکھوں سے بہا پڑتا تھا دریا سا
عجب جنجال میں جکر کے ڈالے تھی پریشانی

کوئی کہتا تھا باباجی ادھر آؤ ادھر بیٹھو — پڑے پھرتے ہو ایسے رات دن ٹک بیٹھ سستاؤ
جو کچھ درکار ہو میوہ مٹھائی حکم فرماؤ — نہ کہنا اس سے لے آؤ نہ کہنا اس سے مت لاؤ
خبر ہر گز نہ تھی کچھ اس گھڑی اپنی نہ بیگانی

پڑی دُبدھا میں تھا اس دم کہاں جاؤں کدھر دیکھوں — کسے دیکھوں کسے پوچھوں کدھر جاؤں کہاں ڈھونڈوں
کروں تدبیر کیا جس سے میں اس دلدار کو پاؤں — نشاں ہرگز نہ ملتا تھا پڑا پھرتا تھا جوں مجنوں
عجب دریائے حیرت کی ہوئی تھی آ کے طغیانی

رہا کتنے دنوں روتا پھرا ہر دشت میں نالاں — غریب و بیکس و تنہا مسافر بے وطن حیراں
پہاڑوں سے بھی سر ٹکرا پھرا شہروں میں ہو گریاں — پھرا بھوکا پیاسا ڈھونڈتا دلبر کو سرگرداں
نہ کھانے کو ملا دانا نہ پینے کو ملا پانی

پڑا تھا ریت میں اور دھوپ میں سورج سے جلتا تھا　　لگی تھی دل کی آنکھیں یار سے اور جی نکلتا تھا
اسی کے دیکھنے کے دھیان میں ہر دم نکلتا تھا　　وے محبوب سے کچھ ہائے میرا بس نہ چلتا تھا
پڑے بہتے تھے آنسو لالہ گوں لعل بدخشانی

صدا محبوب کی آئی وہیں کانوں میں وال میرے　　بدن میں آگیا جی اور وہیں دکھ درد سب کھوئے
پھر آنکھیں کھول کر دلبر کے منہ پر ٹک نظر کر کے　　زمین و آسماں یہ چودہ طبق کے کھل گئے پردے
مٹی اک آن میں سب کچھ خرابی اور پریشانی

ہوئی جب آکے یکتائی دوئی کا اٹھ گیا پردا　　جو کچھ وہم و گماں تھا اڑ گئے اک دم میں ہو پارا
نظیر اس دن سے ہم نے پھر جو دیکھا خوب جا کر جا　　وہی دیکھا وہی سمجھا وہی جانا وہی پایا
برابر ہو گئے ہندو مسلماں گبر و نصرانی

رضا

گر تجھ میں اے پری رو یا مہر یا جفا ہے　　یار اس ہی کا ملنا یا سر بسر دغا ہے
کر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہے　　ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و بد یہ کیا ہے
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وں بھی واہ وا ہے

کچھ دل میں ہے تو دل کی آبادیاں بھی کر لے　　جور و ستم کی اپنے استادیاں بھی کر لے
بیداد ہے تو ظالم بیدادیاں بھی کر لے　　جلاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کر لے
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وں بھی واہ وا ہے

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اٹھا دے | ہم اس طرح سے خوش ہیں رکھ یا ہوا بتا دے
عاشق نہیں نرا قلندر رچا ہے جہاں بٹھا دے | یا عرش پر چڑھا دے یا خاک میں ملا دے

راضی ہیں ہم اسی میں جسمیں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے

گر مہر سے پلاوے تو خوب جانتے ہیں | اور جور سے لٹاوے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھکو مرغوب جانتے ہیں | اور اُس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں

راضی ہیں ہم اُسی میں جسمیں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے

اک دن وہ تھا کہ ہم پر تھے عیش کے دھڑاکے | یاں طلبوں کے ہم پر اور غیر پر کڑاکے
اب غیر پر کرم ہے اور ہم پہ ہیں جھڑاکے | ہم سب طرح خوشی ہیں سنتا ہے او لڑاکے

راضی ہیں ہم اُسی میں جسمیں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو پیارے | یا تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو یا تن سے سر اُتارے | اب تو نظیر عاشق کہتے ہیں یوں پکارے

راضی ہیں ہم اسی میں جسمیں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے

توکل

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے | اور درد دل کا اپنے کسی کو تو مت سنائے

مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے
مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ستار ذوالجلال خداوند کردگار
رزاق کارساز مددگار دوست دار
انسان جن و دیو و پری فیل و مور و مار
جاری اسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کاروبار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کہنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے
پر سب نیازمندوں کا اسی پہ ہی ناز ہے
جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے
جتنی ہے خلق سب کا وہی کارساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں ہیں جتنے تو ان سب کا چھوڑ ساتھ
ٹکڑوں پہ کسی کے لگائے دل نہ جوڑ ہاتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑ ہاتھ
اس سے ہی مانگ جس کے ہیں اب سو کروڑ ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اس کے سوا کسی سے کہے گا گر تو جائے گا
اس آبرو کو اپنے تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہو کے یونہی تو خالی پھر آئے گا
بن حکم اس کے یار تو اک جو نہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زر سیم لعل گوہر کو تو بارے اسی سے مانگ — صندوق مال دھن کے پٹارے اسی سے مانگ
پیسہ بھی مانگتا ہے تو جا رے اسی سے مانگ — کوڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے اسی سے مانگ
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نعمت مٹھائی شیر و شکر یاں اسی سے مانگ — کوڑی کی ہلدی مرچ بھی ہر آن اسی سے مانگ
کمخواب تاش گاڑھا گزی ہاں اسی سے مانگ — جو تجکو چاہیے سو مری جاں اسی سے مانگ
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے — اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا مُنھ چھپائے
بن حکم اس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے — گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پلائے
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ ساہوکار — یہ سب اسی سے مانگے ہیں دن رات بار بار
ہرگز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پسار — پوری تری اسی کے دئیے سے پڑیگی پار
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس — محتاج جی ہے آپ وہ بیٹھا ہے جی اداس
ماں باپ یار دوست جگر سب سے ہو نراس — ہر دم اسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
اللہ ہی غنی ہے میاں اور سب فقیر
کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سریر
جو مانگتا ہے اس سے ہی مانگو میاں نظیر
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ترک و تجرید

بھرے ہیں کیا کیا الٹ پلٹ کر کسی میں آ کر یہ دم کسی کے
کوئی کرے ہے کسی کی منت کوئی ہے چومے قدم کسی کے
کسی پہ لطف و کرم کسی کے کسی پہ ظلم و ستم کسی کے
کسے پڑی ہے میاں غرض اب جو کوئی کھولے بھرم کسی کے
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ کوئی طالب ہوا ہمارا نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا
نہ ہم نے دیکھیں خوشی کی لہریں نہ درد و غم سے کبھی کراہا
نہ ہم نے بویا نہ ہم نے کاٹا نہ ہم نے جوتا نہ ہم نے گاہا
اٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ تو اس کے اٹھتے ہی پھر اہا ہا
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ بات کل کی ہے جو ہمارا کوئی تھا اپنا کوئی بگانا
کہیں تھے نانی کہیں تھے پوتے کہیں تھے دادا کہیں تھے نانا
کسی پہ پھینکا کسی پہ کوٹا کسی پہ پیسا کسی پہ چھانا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا تھانا تو پھر جبھی سے یہ ہم نے جانا
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ سیر دیکھو کبھی ہم یں تھے کسی کے آقا کسی کے نوکر
کسی کے بندے کسی کے چیلے کسی کے خادم کسی کے چاکر
کہیں تھے ملا کہیں سیانے کہیں بڑے کہیں کما نگر
کھلی جو آکر بھرم کی گٹھری تو سب وہ قضیے ہوئے برابر
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہماری بڑی دکاں تھی ابھی ہمارا بڑا کسب تھا
کہیں خوشامد کہیں در آمد کہیں تواضع کہیں ادب تھا
بڑی بڑی تھی ذات اور بڑے صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
خودی کے مٹتے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ حسب تھا نہ کچھ نسب تھا
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہمارے تھے یار کتنے ہلیں ملیں کبھی ان سے تھی اک محبت

کہیں مروت کہیں فتوت کہیں خصومت کہیں عداوت
کسی سے مہر اور کسی سے کینہ کسی سے ناتا کہیں قرابت
اٹھی جو دل سے بھرم کی ٹٹی تو پھر یہ دیکھی خدا کی قدرت
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ ہم نے کی یاں فقیری ابتک نہ ہم نے کی یاں جہاں پناہی
نہ فوج داری نہ ملک گیری نہ کچھ وزیری نہ بادشاہی
نہ ہم نے اپنا بناؤ دیکھا نہ ہم نے دیکھی کبھی تباہی
یہ سب بھرم کا بنا تھا نقشہ بھرم کی ٹٹی ہے یا الٰہی
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

پہاڑ صحرا و جھاڑ بوٹے کھڑے ہیں ارض و سما ہوئے سب
ستارے اا کھیوں چمک رہے ہیں تجلی نور و ضیا ہوئے سب
بھرم کے اٹھتے ہی چھوڑ بھاگے جو بھوت جن تھے ہوا ہوئے سب
کسی کا نام و نشاں نہ باقی ہے یا الٰہی یہ کیا ہوئے سب
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی یہ ڈھب تھا کسی سے لڑ کے کسی کے پاؤں پہ جا کے پڑے
کسی کے حق پر فساد کیجے کسی سے ناحق کو جا کے لڑے

ابھی یہ دھن تھی نظیر دل میں کہیں بگڑ لے کہیں جھگڑے
دوئی کے اٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑیے تو کس سے لڑیے
نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نے صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

خود شناسی

لے آئینہ کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ
صورت میں اپنی قدرتِ پروردگار دیکھ
خال سیاہ اور خطِ مشکبار دیکھ
زلفِ دراز طرۂ عنبر نثار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے جسم کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے جان ترا پاک صاف دل
اور خال کیا ہیں تیرے سویدا کے رخ کے تل
زلفِ دراز فہم رسا سے رہی ہے ہل
لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھل
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے جسم کی آپ ہی بہار دیکھ

مشکِ تتار و مشکِ ختن بھی تجھی میں ہے
یاقوت سرخ لعل یمن بھی تجھی میں ہے
نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج بھی ہے گل کی اگر دل میں تاب ہے
تو اپنے منہ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے

گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے　　رخسار تیرا گل ہے پسینہ گلاب ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس کے پھول پر تو نہ اتنا گمان کر　　اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
اپنے سوا کسی پہ تو ہرگز نہ دھیان کر　　یہ سب نظارے ہیں تجھی میں تو آن کر
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے جان تری چشم خوش نگاہ　　اور سرو کیا ہے یہ ترا قد دراز آہ
گر سیر باغ چاہے تو اپنی ہی کر تو چاہ　　حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے واہ واہ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

گر دل میں تیرے قمری و بلبل کا دھیان ہے　　تو موئے تیرے قمری ہیں بلبل زبان ہے
ہے تو ہی باغ اور تو ہی باغبان ہے　　باغ و چمن ہیں جتنے تو ان سب کی جان ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن　　داؤدی جوہی لالہ و رابیل یاسمن
جتنے جہاں میں پھولی ہیں پھولوں کی انجمن　　یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گل میں نہ ہو اسیر — قمری کی سن صفیر نہ بلبل کی سن صفیر
اپنی تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیر — ہیں حرف من عرف کے یہی معنی اے نظیر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بے خبری کا عالم

کھلی جبکہ چشمِ دلِ حزیں نہ وہ نم رہا نہ تری رہی
ہوئی حیرت ایسی کچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
پڑی گوشِ جاں میں عجب ندا کہ جگر نہ بے جگری رہی
خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
ہوئیں کیا ہی دل کو فراغتیں گئی قید جب سے لباس کی
نہ ہوائے اطلس و گلبدن نہ تلاشِ بادلہ و زری
کوئی پہنو یا کہ نہ پہنو اب غرض اس کو جانے بلا مری
شہِ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
کسی وقت مکتبِ عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اس علم کا یہ کمال تھا
گیا جب مدرسۂ عشق میں تو بھر آگئے یار دکھول میں کیا

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی کیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جوں دھری تھی وہ یوں ہی دھری رہی

ترے منھ پہ اب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جا کے عیاں ہوا
اگر آفتاب جمال تھا تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا

کوئی آگے تیرے نہ آ سکا وہ قمر کہ مہر نشاں ہوا
ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا
کہ نہ آئینے میں جلا رہی نہ پری کی جلوہ گری رہی

عجب اتفاق ہے خود بخود مرے دل سے عیش نکل گیا
پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ کہ برنگ شمع پگھل گیا
ادھر آہ شعلہ زناں ہوئی ادھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا
چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کرے عشق اب وہ جہان میں کہ بھول سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو
نہ کسی کے ڈر سے چھپے کہیں نہ کسی کے خوف سے دیوے رو
اسے کچھ کسی کی خبر نہیں ہوا اب تو مثل نظیر وہ
ترے درد عشق میں اے میاں دلِ بینوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خبری رہی

رمال و نجومی

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنی ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہے پنڈت کتھا بکھانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر یہ آسماں کا جو خیمہ سب پہ جو یہ تن رہا ہے
نہ اس کی میخیں نہ ہیں طنابیں نہ اسکی چوبیں ادھر کھڑا ہے
ادھر ہے چاند اور اُدھر ہے سورج ادھر ستارہ اُدھر ہوا ہے
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا اور کا ہے کا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہے گا زمین اب جو یہ بستر اہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سے سر جنکا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے

جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لیکر جو آسماں تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہے ہاتھی کہیں ہے چیونٹی کہیں ہے رائی کہیں ہے پربت
یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت خدا کی حکمت
جو چاہے کھولے یہ بھید اس کے کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروروں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی ہے ہنستا کوئی ہے روتا کہیں ہے شادی کہیں غمیں ہے
کہیں ترقی کہیں تنزل کہیں گماں اور کہیں یقیں ہے
کوئی گھٹا ہے زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ جانے کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروروں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی وہ رنگیں چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
کوئی ہے پھٹکل کسی کا جگ ہے پھرے ہیں نردیں بھی خانے خانے
جو پانسہ پھینکے بنا بنا اور داؤں کتنے ہی دل میں ٹھانے
جو چاہتا ہے اٹھارہ آویں تو اس کو پڑتے ہیں تین کانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروروں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب یہ شطرنج کا سا نقشا بچھا ہے دن اور رات اسجا
جو مات چاہے کرے کسی کو نہ آوے بُرد اسکو ہات اس جا
ہزاروں منصوبے باندھے دل میں بنا کے چالوں کی گھات اسجا
نہیں ہے اک چار چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات اسجا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی کی شمشیر پر جفا ہے
امیر کوئی وزیر کوئی - کوئی فقیری میں دل خفا ہے
سبھوں کو اس جا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا گنجفا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے اندھاوے کسے بھریگا
کسے کے گھر کون ہوگا پیدا کسے کے گھر کون سا مریگا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ چھوڑے کس کو کسے دھریگا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کا یہ حال ہے گا کسند کہیے و یا کمندا

نہ چھوٹے ہاتھی نہ چھوٹے چیونٹی نہ کوئی وحشی کوئی پرندا
سبھوں کی گردن پھنسی ہے اسمیں کسی کا ٹوٹا ہے ایک پھندا
نظیر اتنی مجال کس کی کہاں خدا اور کہاں یہ بندا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

موازنہ زور و کمزوری

زور جبتک کہ ہمارے بدن و تن میں رہا
پچ گئی دم میں اگر کیسی ہی اثقل تھی دوا
کھوندے گلزار و چمن گلشن و باغ و صحرا
دوڑے ہر سیر و تماشے میں خوشی سے ہر جا
زور کی خوبیاں لاکھوں ہیں کہوں میں کیا کیا

عیش و عشرت کے مزے جتنے ہیں سب دیکھے ہیں
خرمی خوشدلی و عیش و طرب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہئے عجب زور میں ہیں
زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

جب سے کمزور ہوئے تب سے ہوا یہ احوال
سستی و ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہے کمال
ہو گئے سب وہ اچھل کود کے نقشے پامال
اب جو چاہیں کہ چلیں ہم بھی اسی طور کی چال
قصد کرتے ہیں بہت پر نہیں جاتا ہے چلا

پانی پیتے ہیں تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے
اور دہی چکھیں تو چھینکوں کا مینہ چھا جاتا ہے
پئیں شربت تو ہوا زدگیاں وہ لاتا ہے
اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ہے

۱؎ پہلے اور چوتھے مصرعوں میں ایک ہی قافیہ مکرر آیا ہے۔

پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہیئے چورن کوئی ٹکا

واہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں نڈھال | ہر قدم آتے ہیں پاپوس کو سو رنج و ملال
اور ذرا تند ہوا چلنے لگی تو فی الحال | چلنی پڑتی ہے پھر اسوقت تو اس طور کی چال
جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشا

اونچی نیچی جو زمیں آ گئی رستے میں کہیں | اسکی یہ شکل ہے کیا کہیئے نقاہت کے تئیں
یک بیک دونوں سے گزرے تو طاقت ہی نہیں | اتریں نیچے کو تو گر پڑنے کے ہوتے ہیں قریں
اور جو اونچے پہ رکھیں پانوں دم آتا ہے چڑھا

آوے گر جاڑے کا موسم تو خرابی یہ ہو | پہنے تو میسر روئی کی جو بنا کر دو تو
تو بھی ہرگز گل گرمی کی نہیں آتی بو | ہو بدن سرد و خنک اسمیں کہ ایسا جسکو
دیکھے گر برف کا تھیلا تو رہے سر کو جھکا

اور عیاں ہووے جو ٹک آ کے ہوا گرمی کی | اسمیں کچھ اور ہی ہوتی ہے نقاہت سستی
موم ہوتے ہیں جہاں تن کو ذرا دھوپ لگی | اور سیلوں میں یہ صورت ہے بدن کی ہوتی
جیسے غواص سمندر میں لگا دے غوطا

ضعف کے دام میں ہے اب تو کچھ اس طور اسیر | جسم میں طاقت تحریر نہ تاب تقریر
طبع افسردہ دل آزردہ بدن سخت حقیر | جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہیئے نظیر
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

روپے کا روپ

نقشا ہے عیاں سو طرب و رقص کی رے کا | ہے ربط بہم طبلۂ و سارنگی و نے کا

جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے نے کا　　مینا کی جھلک جام ادھر چھلکے ہوئے کا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے　　کیا کیا زر و زیور کے ہیں واں رنگ دمکتے
موتی بھی جھلکتے ہیں جو اہر بھی جھمکتے　　سب ٹھاٹھ اسی جھلکی سے دیکھے ہیں چمکتے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک بزم میں آتے ہیں اسی سے　　میلوں میں تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے
شیرینیاں میوے بھی منگاتے ہیں اسی سے　　کھاتے ہیں اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دُنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاک جھمک دار بناتے ہیں اسی سے　　حشمت کے چمن زار بناتے ہیں اسی سے
محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے　　باغات چمن زار بناتے ہیں اسی سے
جُھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے ہے حسن فسوں کار مُہیا　　اس روپ سے فرحت کے ہیں آثار مہیا
گجرے سے لگا طرۂ زرتار مُہیا　　کیا موتیا ہے موتیوں کے ہار مہیا
جُھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپے سے گرمی کے بھی سامان یہاں ہیں　　خس خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطر فشاں ہیں
ان کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشاں ہیں　　اور شب کے بھی سونے کو ہوادار مکاں ہیں
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپے سے بارش کی بھی سب چیزیں ہیں میسر　　رتھ چھتریاں بارانیاں اور موم کی چادر
باہر بھی وہ دیکھے ہیں بہاروں کو نظر بھر　　گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

یہ روپ جہاں ہے کوئی دل وال نہیں میلا　　اجلے ہیں بچھے فرش نہیں کوئی کچیلا
دیکھو جدھر اسباب ہے خوش وقتی کا پھیلا　　بھرتا ہے اسی تھیلی سے ہر جنس کا تھیلا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اسے دوستو راحت ہے اسی سے　　ہر آن دل و جاں کو مسرت ہے اسی سے
ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے　　عالم میں نظیر عشرت[1] و فرحت ہے اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پیسہ

نقش یاں جسکے میاں ہاتھ لگا پیسے کا　　اس نے تیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا

۱؎ عشرت کا عین گر گیا ہے۔

گھر بھی پاکیزہ عمارت سے بنا پیسے کا — کھانا آرام سے کھانے کو ملا پیسے کا
کپڑا تن کو بھی ملا زیب فزا پیسے کا

جب ہوا پیسے کا اے دوستو آکر سنجوگ — عشرتیں پاس ہوئیں دور ہوئے منکے روگ
کھائے جب مال پوئے دودھ دہی موہن بھوگ — دل کو آنند ہوئی بھاگ گئے روگ اور سوگ
ایسی خوبی ہے جہاں آنا ہوا پیسے کا

ساتھ اک دوست کے اک دن جو میں گلشن میں گیا — واں کے سرو و سمن و لالہ و گل کو دیکھا
پوچھا اس سے کہ یہ ہے باغ بتاؤ کس کا — اس نے تب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا
مہرباں مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا پیسے کا

یہ تو کیا اور بھی ایسے ہیں جو باغ و چمن — ہیں کھلے کیاریوں میں نرگس و نسرین و سمن
حوض فوارے ہیں بنگلوں میں بھی پردے چلمن — جا بجا قمری و بلبل کی صدا شور افگن
واں بھی دیکھا تو فقط گل ہے کھلا پیسے کا

واں کوئی آیا لیے ایک مرصع پنجرا — لال دستار و دوپٹا بھی ہرا جوں طوطا
اسمیں اک بیٹھی وہ مینا کہ ہو بلبل بھی فدا — میں یہ پوچھا کہ تمہارا ہے رہا وہ چپکا
نکلی منقار سے مینا کے صدا پیسے کا

واں سے نکلا تو مکاں اک نظر آیا ایسا — در و دیوار سے چمکے تھا پڑا آب طلا
سیم چونے کی جگہ اسکے تھا اینٹوں میں لگا — واہ وا کہکے کہا میں نے یہ ہوگا کس کا
عقل نے تب مجھے چپکے سے کہا پیسے کا

دام میں دام کے یارو جو ہوا دل ہے اسیر — اس لئے ہوتی ہے یہ میری زباں سے تقریر
جی میں خوش رہتا ہے اور دل بھی بہت عیش پذیر — جس قدر ہو سکا میں نے کیا تحریر نظیر

تاج گنج کا روضہ

یاروں یہ تاج گنج یہاں آشکار ہے   مشہور اس کا نام یہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے   روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں میں یوں تو مکاں خوب ہیں میاں   پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں   ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اسکا زور بلندی سے بہرہ مند   گرد اس کے گزیاں بھی جھمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند   ایسا ہلال اس میں سنہرا ہے دلپسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہِ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس   وہ بھی برنگ سیم جھمکتے ہیں خوش اساس
برسوں جو اس میں رہیئے تو ہوئیے نہ جی اداس   آتی ہے ہر طرف سے گلِ یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اسمیں جو کرتا گزار ہے

میں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں   گرد ان کے جالی اور محجر ہے درفشاں
سنگین گل جو اسمیں بناتے ہیں تہ نشاں   پتی کلی سہاگ رگ و رنگ بے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پہ ہے سنگ کا نازک عجب نگار   آئینہ بھی لگے ہیں مصفّا ہو تا بدار
دروازے پر لگا خط طغرا ہے زر نگار   دروازے پر کھڑے ہیں جو مینار اسکے چار

چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دو چار ہے

پہلو میں ایک برج لسی کہتے ہیں اسے / آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جسکی صفت کس سے ہو سکے / پھر اور بھی مکاں ہیں ادھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا / آتی ہے جسمیں گلشنِ فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا / ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن / کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل و سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن / گلنار و لالہ و گل و نسرین و نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاجدار شاہ جہاں صاحب سریر / بنوایا ہے اُنھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اسکے یہ ہوتا ہے دلپذیر / تعریف اس مکاں کی ہیں کیا کیا کروں نظیر
اسکی صفت تو مشتہر روزگار ہے

عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی / اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
اور عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی / کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شبرات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد رنگ گال — خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال — دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال
ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے — شیر و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانیکی دھوم ہے — لڑکوں کو عیدگاہ کے جانیکی دھوم ہے
ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دلمیں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر — تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر — دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر
ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دلمیں ہے اس عید کی خوشی

عیدگا ہ اکبر آباد[۱]

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں — تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں — سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آبادی ازدری — پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن ذری ذری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری — ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری

---

۱ ہر بند کے پانچویں مصرع میں عیدگاہ کا ہ گر گیا ہے۔

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ — صحنِ چمن ہے جتنی ہے سب صحنِ عیدگاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ — دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار — حلقت کے ٹھٹھ کے ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار — غل شور باجے بھونپو کھلونوں کی ہے پکار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں — پھولوں کی پگڑیاں ہیں ہر شانے میں اڑ رہیاں
کمریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کس لیاں — ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

آتے ہیں ملتے ملتے جو ساحر پری رخاں — دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
تس پر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گر پنکھیاں — دامن کے ٹکڑے اڑتے ہیں پھٹتی ہیں چولیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تربتر — ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے اِدھر اُدھر
چھپتے پھرے ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر — ٹھٹھا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خرد اور کبیر — ادنیٰ غریب امیر سے ملے شاہ تا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مزے یار دلپذیر — ہنس ہنس کے تجھ سے کرتا ہے یوں لپٹیاں نظیر
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے کاروبار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے منجدھار بند
ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی
ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایکبار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال
ناچار قرض دام سے چھپر لیے ہیں ڈال
پھونس اور کھپرے اسکے ہیں جوں سر کے بکھرے بال
اس گھر کے پھونس سے ہے یہاں چھپروں کا حال
گویا کہ ان کے بھول گئے ہیں چمار بند

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بندوبست
اور جن کے زر نہیں ہیں گھر کا نہ باہر کا بندوبست
ہوتا کا انتظام نہ گھر کا بندوبست
مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نااستوار بند

کپڑا نہ گٹھڑی بیچ نہ تھیلی میں زر رہا
خطرہ نہ چور کا نہ اچکے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا
کھنکھار جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ
آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے برے وقت سے پناہ
وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ

کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صراف بنئے جوہری اور سیٹھ ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتے ہیں اب ادھار
بازار میں اڑے ہے پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دوکانوں پہ اپنی دوکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح — بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح — دکھیا کو فائدہ نہ پسہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار — اور جتنے پیشہ وار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لوہار تو پیٹے ہے سر سنار — کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشہ والوں کے ہیں کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب تو بک گئے — اور ریشمی قوام بھی یک سر چپک گئے
زردار اٹھ گئے ہیں تو بٹئے سرک گئے — چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا حال ہے تلے کھنچے جو ہو جاوے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے ہی چنتے ہیں — چلتے ہیں نان بائی تو بھڑبھونجے بھنتے ہیں
دھنئے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں — روتے ہیں وہ جو مشروع و دارائی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بُنے تھے ازار بند

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھئے — مطلق اسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ کا
ردی قلم دوکان میں رکھے ہیں ٹاٹ کے — یاں تک کہ اپنی چٹھی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے ادھار بند

لوٹے ہیں گرد و پیش جو قزاق راہ مار — بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کوتوال روئیں خاک اُڑاتے ہیں جو پیادہ — ملاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یار
ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ پہ سب وار پار بند

ہر دم کہاں گروں کے اُوپر پیچ و تاب ہیں — صحاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
مرتے شبیہ ساز مصور کباب ہیں — نقاش تو سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار بند

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور — پیسا کہاں جو سان پر ہو استروں کا شور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اُسکی پور پور — کیا بات ایک بال کٹے یا تراشئے کور
یاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

کوئی پکارتا ہے پڑا بھیج یا خدا — اب تو ہمارا کام تھکا بھیج یا خدا
کوئی کہے ہے ہاتھ اُٹھا بھیج یا خدا — لے جان اب ہماری تو یا بھیج یا خدا
کیوں روزی یوں ہیں کی مرے پروردگار بند

محنت سے ہاتھ پاؤں کے کوڑی نہ ہاتھ آئے — بیکار کب تلک کوئی قرض اُدھار کھائے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے — آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کار و بار بند

آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ — باہمن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں پڑھنے والے بھی سب مدرسوں کے بیچ — حیراں ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب اکبار بند

اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ — جس گھر پہ جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ

بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ　　وال سے صدا یہ آتی ہے پھر مانگو جب تو آہ
کرتے ہیں اپنے ہونٹ کو وہ شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے وہ کیا پیشہ ور نجیب　　روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب　　اُٹھتے ہیں سب دوکان سے کہکر کے یا نصیب
قسمت ہماری ہوگئی بے اختیار بند

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں　　البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض لینے جاتے ہیں　　یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم کو کھاتے ہیں
سوتے ہیں کرکے واڑ کو اک آہ مار بند

کیونکر بھلا نہ مانگئے اسوقت سے پناہ　　محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیرزادے سپاہی ہوئے تباہ　　جنکی جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کی پکڑے شکار بند

ہے جن سپاہیوں کنے بندوق اور سناں　　کردے گا اس کے نام پہ چلہ کا ہی نشاں
بنا کے بند تار تو بیتل کے ہیں کماں　　ناچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسی کے اُن میں باندھے پیادے سوار بند

جو گھوڑا اپنا بیچ کے زیں کو گرو رکھیں　　یا تیغ اور سپر کو لیئے چوک میں پھریں
ٹکا جو بکتا ہوے تو کیا خاک دیکے لیں　　وہ بیش قبض تنگ کی ٹڑی روٹی پیٹ میں
پھر اس کا کون مول لے وہ پیچھے وار بند

جتنے سپاہی یاں تھے نجانے کدھر گئے　　دکھن کے تئیں نکل گئے یا بہتیرے گئے
ہتھیار بیچ ہو کے گدا گھر بہ گھر گئے　　جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں در بدر گئے

پھر کون پوچھے اُن کو جواب ہے کٹار بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسالدار	گھوڑوں کی ہے لگام نہ اونٹوں کی ہے مہار
کپڑا نہ لتّا مال نہ پرتل نہ بوجھ بھار	یوں ہر مکاں میں آ کے اُترتے ہیں سوگوار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لا کر اُتار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے	روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
تنخواہ نے طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے	پیادے ڈیوالی بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات	سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے اور کس کی کہیے بات	روزی کے اب درخت کا ملتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

ہے کونسا وہ دل جسے فرسودگی نہیں	وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں	اب آگرے میں نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کی آ کے ایسی ہوئی رہ گزار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ویسے پڑے ہیں خوار	کانٹے کا نام اُن میں نہیں پھول در کنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار	کیاری میں خاک دھول روش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اجاڑ سا	غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا	نے حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ ٹوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور اجڑ جاہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے سو اس ہوا میں ہے دیوانہ ہو رہا سودا ہوا مزاج زمانہ کو یا [illegible]
تو ہے حکیم کھول دے ایسا اس کے چار بند

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر کر آگرے کی خلق پہ اب مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر اس ٹوٹے شہر پہ بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کار و بار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے ملا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو حقیر کہو آگرے کا ہے شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند

من موجی

ہیں عاشق اور معشوق جہاں واں شاہ وزیری ہے بابا
نے رونا ہے نے دھونا ہے نے درد اسیری ہے بابا
دن رات بہاریں چہلیں ہیں اور عشق صفیری ہے بابا
جو عاشق ہیں جی جاتے ہیں یہ بھید فقیری ہے بابا
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت فقیری ہے بابا

جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
ہے چاہ فقط اک دلبر کی پھر اور کسی کی چاہ نہیں
اک راہ اسی سے رکھتے ہیں پھر اور کسی سے راہ نہیں
یاں جتنا رنج و تردد ہے ہم اک سے بھی آگاہ نہیں
کچھ مرنے کا سندیہ نہیں کچھ جینے کی پرواہ نہیں
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
کچھ ظلم نہیں کچھ زور نہیں کچھ داد نہیں فریاد نہیں
کچھ قید نہیں کچھ بند نہیں کچھ جبر نہیں آزاد نہیں
شاگرد نہیں استاد نہیں ویران نہیں آباد نہیں
ہیں جتنی باتیں دنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
جس سمت نظر بھر دیکھے ہیں اس دلبر کی پھلواری ہے
کہیں سبزے کی ہریالی ہے کہیں پھولوں کی گلکاری ہے
دن رات مگن خوش بیٹھے ہیں اور آس اسی کی بھاری ہے
بس آپ ہی وہ داتاری ہے اور آپ ہی وہ بھنڈاری ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

نت عشرت ہے نت فرحت ہے نت راحت ہے نت شادی ہے
نت مہر و کرم ہے دلبر کا نت خوبی خوب مرادی ہے
جب اُمڈا دریا الفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اک شادی ہے ہر روز مبارک بادی ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہے تن تو گل کے رنگ بنا اور منھ پر ہر دم لالی ہے
جز عیش و طرب کچھ اور نہیں جس دن سے سرت سنبھالی ہے
ہونٹوں میں راگ تماشے کا اور گت پر بجتی تالی ہے
ہر روز بسنت اور ہولی ہے اور ہر اک رات دوالی ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہم چاکر جس کے حسن کے ہیں وہ دلبر سب سے اعلیٰ ہے
اس نے ہی ہم کو جی بخشا اس نے ہی ہم کو پالا ہے
دل اپنا بھولا بھالا ہے اور عشق بڑا متوالا ہے
کیا کہیے اور نظیر آگے اب کون سمجھنے والا ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

فقرا کی شان

کیا علم انھوں نے سیکھ لیے جو بن لکھے کو بانچے ہیں
اور بات نہیں منھ سے نکلے بن ہونٹ ہلائے جانچے ہیں
دل اُن کے تار ستاروں کے تن انکے طبل طمانچے ہیں
منھ چنگ زبان دل سارنگی پا گھنگرو ہاتھ کمانچے ہیں
ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کل باجے بجکر ٹوٹ گئے آواز لگی جب لہرانے
اور چھم چھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے
سنگیت نہیں یہ سنگت ہے ٹوٹے کبھی جس سے نرت والے
یہ ناچ کوئی کیا پہچانے اس ناچ کو ناچے سو جانے
ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں.

سب گھٹنا بڑھنا پھینک اِدھر اور دھیان اُدھر دھر رہتے ہیں
بن تاروں تار ملاتے ہیں جب نرت نرالا کرتے ہیں
بن گہنے جھمک دکھاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں
بن ہاتھوں بھاؤ بتاتے ہیں بن پانوں گھڑے گت بھرتے ہیں
ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں

جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

تھا جن کی خاطر ناچ کیا جب مورت اُن کی آئے گی
کہیں آپ کہا کہیں ناچ کہا اور تال کہیں لہرائے گی
جب چھیل چھبیلی سندر کی چھب نینوں اندر چھائے گی
ایک مور چھا گت آئے گی اور جوت میں جوت سمائے گی
ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جب ہوش بدن کا دور ہوا جب گت پر آ مردنگ بجی
تن بھنگ ہوا دل دنگ ہوا سب آن گئی بے آن سجی
یہ ناچا کون نظیرؔ اب یاں اور کس نے دیکھا ناچ اجی
جب بوند ملی آ دریا میں اس تان کا نکلا آخر جی
ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

فقیروں کی صدا

بٹ مار اجل کا آ پہنچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس من مار مرو بابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو
خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈو بٹواؤ یا خاصہ حلوا نان کرو
کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا سامان کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
اب دل کو اٹھاؤ جینے سے اور آپ گلے کو مت کاٹو
اب چاٹ فنا کی ہے نمک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو
دھن چھوڑ دو حصہ بخرے کی اور بھاجی اپنی تم بانٹو
نا کند بچھیرے کو دو چکھے اب اور دو لتی مت چھانٹو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا چاندی بال ہوئے منہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یاں پانوں گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو
اور پوپلے منہ سے روٹی کو مت ململ کر ہلکان کرو
اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو
کچھ لاب نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر اچھا سا پاؤ گے اور سکھ سے بیٹھے کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ گئے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
پھر کچھ بھی نہیں بن آوے گی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گھر بار روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خرسند کرو
یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنا پر آستند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو یا پھند کرو
بس خوب تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرایہ کا یارو صندوق جنازہ باری ہے
جو ہو اسوار چلے اس پر پھر ہاتھی ہے نہ عماری ہے
کس نیند پڑے تم سوتے ہو یہ بوجھ تمہارا بھاری ہے
کچھ دیر نظیر اب آہ نہیں تیار کھڑی اسواری ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دنیا

ہے دنیا جس کا نام میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو یہ مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت کستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یہ سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلاوے پان ملے جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے پھر ویسا اس کو آن ملے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے تو اس کی بھی حق جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے وہ دل میں اپنے ٹھان رکھے
یہ چرت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے

اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
جو پار اُتارے اوروں کو اُس کی بھی پار اُترنی ہے
جو غرق کرے پھر اس کو بھی ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
اُس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور پہ اونچا بول کرے تو اس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اُس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے جرم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں کوئی جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب اور بے چارہ حق ناحق میں لُٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
جو جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اس کے ہاتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے اور ٹپکے بیچ جو ہے ٹپکا
کیا کہیے اور نظیر آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

مکائد اہل دنیا

کیا کیا فریب کہیے دنیا کی فطرتوں کا — مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا — پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گر دن کو ہے اچکا تو چور رات میں ہے — نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات بات میں ہے
اس کی بغل میں گپتی تیغ اسکے ہات میں ہے — وہ اس کی فکر میں ہے یہ اسکی گھات میں ہے
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

عیار اور چھچھورا نت اپنے کار میں ہے — اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
قزاق جس مکاں پر فکر سوار میں ہے — پیادہ غریب اس جا پھر کس شمار میں ہے
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا

یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

اس راہ میں جو آیا اسوا ہے کے گھوڑا
ٹھگ سے بچا تو آگے قزاق نے نہ چھوڑا
سویا سرا میں جا کے تو چور نے جھنجوڑا
تیغار ہا نہ بھالا گھوڑا رہا نہ کوڑا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگونکا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستونکا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالا
کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالا
دانا ملا تو اُس میں گھولا دھتورا کالا
ہوتے ہی غافل اُس کو پھانسی میں کھینچ ڈالا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگونکا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستونکا

پیسے روپے اشرفی یا سیم وزر کا پترا
پھر جیت گھر میں لاوے ہے کون ایسا چترا
سیانہ بھی چوک کھاوے یہ فن ہے وہ دھنترا
کترے ہے جیب چڑھ کر ہاتھی یہ جیب کترا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگیوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

چڑیا نے دیکھ غافل کیڑا اُدھر گھسیٹا
کوے نے وقت پا کر چڑیا کا پر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوے کا سر گھسیٹا
جو جس کے ہاتھ آیا اُسنے ہی دھر گھسیٹا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگونکا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستونکا

صیاد چاہتا ہے صید کا گزارا
اور صید چاہتا ہے دانہ کھا کر کرے کنارا
قابو چڑھا [illegible] دانہ دکھا [illegible]
اور کچھ بھی چال چوکا تو وہیں جال مارا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہے شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے | گیدڑ نے کی دھن لگا دے خود شیر لوٹ کھانے
کیا کیا کرے ہیں باہم مکر و دغا بہانے | یاں وہ بچا نظیر اک جسکو رکھا خدا نے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

مذمت دنیا

اے دل نہ رہ تو عالم ہستی میں بے خبر | غفلت میں اپنی عمر نہ کھو شام اور سحر
اوقات زیست لہو و لعب میں نہ کر بسر | دنیا ہے اک نگار فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اسکی کچھ نہیں خر کلفت و خرر

دل کے فریب دینے کو کرد مہر و التفات | ناز و ادائیں رکھتی ہے کیا کیا تنوعات
بدلے ہے رنگ روپ ہزاروں دن اور رات | آج اس پہ تھی کہیں تو لگائی گل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر

وہ ناز و حسن رکھتی ہے جائے دل پہ یہ زوال | جو اک نگہ میں ڈالے ہے گردن میں لاکے جال
پہلے نشاط و عیش و طرب پھر غم و ملال | ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں پھر جاویں بال و پر

جانی ہے شکل گل چمن ناز میں جو کھل | بلبل منش سے اپنے دہیں کھینچتی ہے دل
عیارگی و عشوہ گری کرکے متصل | سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل

حیراں ہو سحر سامری بھی جسکو دیکھ کر

جس دل کو اس نگار کی آئی ادا پسند	اک دم وہ شاد ہو کے رہا پھر الم میں بند
رکھتی ہے اپنے دوش پہ ہر دم نئی کمند	لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند
جب لے چکی تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر

تو اس نگار عہد شکن سے لگا نہ دل	حاصل نہیں کچھ اس سے بجز رنج جانگسل
زنہار جا کے بیٹھیو اسکے نہ متصل	جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بہ یک دگر

آگے بھی میں نے تجھ کو جتایا ہے کتنی بار	یعنی تو اس کا کیجیو ہرگز نہ اعتبار
ہیں کید و مکر و حذر اسے یاد بے شمار	تو بھی جو اس کے پاس لگا دیگا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر

اک دن بھی تو کہے گا جو اس بیوفا کی جا؟	برسوں تلک کریگی یہ پرفن تجھے تباہ
ہرگز کسی کے ساتھ یہ کرتی نہیں نباہ	میں تجھ کو اس سے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

جو گل کہ رنگ و بوئے وفا کے نہ ہو قریں	دل اس سے باندھنے میں اذیت ہی پائیں
اٹکے اگر تو یاں تو مناسب تجھے نہیں	تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں
کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر

ہوتی ہے اس کو فکر کہ منزل کو جا کے لے	تا جلد رہروی کے غم و رنج سے چھٹے
ٹھہرے ذرا تو پھر نہ ہیں دم لیکے اٹھ چلے	گر درمیان رہ کوئی لجا دے باغ اسے

۱؎ سحر سامری۔ اب اس ہی کو دبانا یا گرانا جائز نہیں۔

تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
اس گلستاں کو گر وہ اقامت کا دے خطے　　دو دن میں پھر تو وہ رہ منزل کرے غلط
جاتا ہے کرکے ایک نگہ سرسری فقط　　بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گذر
جاتا ہو عزم کرکے مسافر سے کہیں جہاں　　آگے کہیں تو پہنچے وہ پھر کس طرح مثال
تو بھی جو اپنا فائدہ چاہے تو مہرباں　　اس حرف کو نظیر کے یوں دل میں دے مکال
کرتا ہے جیسے نقش نگیں سے جگر میں گھر

ہنس

دنیا کی جو الفت کا ہوا دل کو سہارا　　اور اس نے تحقیق کو میری خلش گوارا
دیکھی جو یہ الفت تو مرا دل یہ پکارا　　آیا تھا کسی شہر سے اک ہنس بچارا
اک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اس کا گزارا
جنڈول اگن ابلقے چڑیاں بئے ڈھیر　　مینا و بئے کلکلے بگلے بھی سمن بر
طوطے بھی کئی طور کے ٹوئیاں کو امیر　　رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر
اس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا
خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہر اسے دیکھیں　　اور اس کی محبت سے ذرا منہ کو نہ پھیریں
دن رات اسے خوش رکھیں نت سکھ اسے دیویں　　صحبت جو ہوئی ہنس کی ان جانوروں میں
یک چند رہا خوب محبت کا گزارا
سب ہو کے خوش اسکی مئے الفت لگے پینے　　اور پیت سے ہر ایک نے واں بھر لیے سینے

ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے　　اُس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے
اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لطف و کرم تم نے کیے ہم پہ ہیں جو جو　　تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو　　لو یارو ہم اب جاویں گے کل اپنے وطن کو
اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اب تک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش　　اب یاد وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش
کل بات یہ حسرت سے جب اُس کی پرندوں نے کیا گوش　　اور بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اُڑے ہوش
سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمھارے ہمیں کب چین پڑینگے　　اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھرینگے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہیں گے　　ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلینگے
یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا

پھر ہنس نے یہ بات کہی ان سے کئی بار　　کچھ بس نہیں اب چلنے کی ساعت سے ہوں ناچار
آنکھیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کی گہر بار　　اتنے میں جو شب کوچ کی ہوئی صبح نمودار
پر اپنا ہوا پر وہیں پھر ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اُس پیڑ سے واں کو چلا ناگاہ　　مُنھ پھیر کے ادھر سے وطن کی لی جوں ہی راہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ　　سب ساتھ چلے اُس کے وہ ہمراہ ہوا خواہ
ہر ایک نے اُڑنے کے لئے پنکھ پسارا

اور ہنس کو ان سب کی رفاقت ہوئی مطلب　　جب واں سے اُڑے کچھ تو ہوئی بے بسی غالب
خلقت تھی جو فرقت کی وہ سب پہ رہی غالب　　وہ کوہ سے اُڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب

پھر پڑیں کسی کے نہ رہا قوت و یارا

پران ٹے ہوئے پر جو ہیں دو ہی تری اداس   رہ گئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ قدبوس
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس   کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اڑا کوس
کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں ہارا

کچھ بن نہ سکے اُنسے رفیقی کے جو واں کار   اور اتنے اُڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ اظہار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر تئیں ہار   کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار
کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا

دنیا کی جو الفت ہے تو اُسکی بھی ہے یہ کچھ راہ   جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا میں تو واں کیجئے کیا چاہ   سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

بنجارہ نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا
گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے

کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقے سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارہ

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈنڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن سے نکلیگا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نا حلوا ہے نا مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارہ

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاویگی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پاوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاویگی
دھن پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاویگا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی

اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے چاندی کے کیا مٹی ہنڈیا چینی کی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ دھوم دھڑکا ساتھ لئے کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل
اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا موقوف ہوا جب آن اجل
گھر بار اٹاری چوپاری کیا خاصہ نین سکھ اور ململ
کیا چلون پردے فرش نئے کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارہ

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لال و زمرد سیم و زر
جب پونجی بات میں بکھرے گی ہر آن بنے گی جان اوپر
نوبت نقارے بان نشاں دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکاں کیا چوکی کرسی تخت چھتر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارہ

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاویگا جب لاد چلیگا بنجارہ

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بغچے تاش مشجر کے کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا چیلی چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باری پھول چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارا

موت

پڑھ علم کئی اس دنیا میں گر کامل ذی ادراک ہوئے
اور لاد کتابیں اونٹوں پر ہر معنی کے دراک ہوئے
معقول پڑھی منقول پڑھی ہر منطق میں چالاک ہوئے
یاں جتنے علم کے دریا ہیں ان دریا کے پیراک ہوئے
سب جتنے جلی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے
رمال نجومی جفری ہو یا غیبوں کے احکام کئے

کُل تارے چھان لئے سارے اور پھینکے تختوں پر قرعے
منہ دیکھا اجل کی شکلوں کا سب داخل خارج بھول گئے
نہ رمل و جفر کچھ پیش گئی نہ داخل خارج کام دیئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

مشہور حکیم اور بید ہوئے یاں پڑھ کر علم طبابت کا
دالان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
جب موت مرض نے آن کیا سب بھولے نبض اور قارورا
گو نسخے لاکھ مجرب تھے پر کام نہ آیا اک نسخا
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

لے ہاتھ قلم اور باندھ سپر گر ہوکے سپاہی مقصد کی
دن رات لڑے گڑھ کاغذ سے شمشیر کھنچی اور کلک چلی
جب کلک قضا نے حرف لکھے در سیف اجل کی آ چمکی
یاں دفتر طلاک ڈوب گئے واں تیغ سپر بھی پھاٹ پڑی
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

یا کوٹھی کر کر سیٹھ ہوئے یا کھود زمیں کو کھیتی کی
کُل ڈالیں بھیاں لاکھوں کی بو ڈالی دھرتی بُری بھلی

جب ہنڈی آئی مالک کی اور آکر جم کی بھیج لگی
یاں کوٹھی کوٹھی بیٹھ گئی واں کھیتی باڑی کھیت رہی
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

یا مست شرابی رند ہوئے یا زاہد تا مقدور ہوئے
یا پی پی کر دو شاد ہوئے یا ہو حق میں مسرور ہوئے
جب عمر کے پیالے دونوں کے آساعت پر معمور ہوئے
تسبیح و جبے دور ہوئے اور پیالے شیشے چور ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

اس دنیا کی دھن دولت میں گر شاہ سلیماں جاہ چلے
یا ٹھہرے میر و وزیر اعظم یا راجہ بن آکر آہ چلے
منھ دیکھ اجل کے لشکر کا تب لے کر گھر کی راہ چلے
نے ہاتھی گھوڑے سنگ گئے نہ تخت چھتر ہمراہ چلے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

سب چھوڑ فقیر آزاد ہوئے یا دنیا داری لوٹ گئے
یا شال دوشالے اوڑھ پھرے یا اجلے سوند گوٹ گئے
سنگ اور قضا کے سونٹے سے سر دونوں کے جب پھوٹ گئے

یاں سیلی تاگے ٹوٹ گئے واں جامے تن کے چھوٹ گئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیئے پاک ہوئے

یا حاکم یا محکوم ہوئے یا عاقل یا معقول ہوئے
یا خادم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے
کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب انت اسی میں دھول ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیئے پاک ہوئے

گر بیر بخیلی زہر ہوتے یا بخشش میں تریاک ہوئے
یا نخل ہوئے پر میووں سے یا خالی پاتوں ڈھاک ہوئے
یا عمر گزاری عشرت میں یا سوز غم میں غمناک ہوئے
یا پھول کھلائے گلشن کے یا گلیوں کی خاشاک ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیئے پاک ہوئے

ہم چاک مصوّر زرگر تھے یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
یا ململ سی سے دو گز کا لبسی یا ہم کل جنگل پیتے تھے
جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے
بس اور نظر اب کیا کہیے سب ناحق کے اندیشے تھے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آخر کام پڑا سب قصے قضیئے پاک ہوئے

نوٹ:۔ اس نظم میں کثرت سے ایسے الفاظ ہیں جو مدت سے متروک ہو گئے ہیں

فنا

تھے وہ جو در لعل سے بہتر لب و دنداں — آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملنا ہو بھلا خاک کے درمیاں — دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں مرجاں
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا

دنیا میں اگر ہم کو ملا تخت سلیماں — تابع رہے سب جن و پری آدم و مرغاں
جب تن سے ہوا ہو گئی وہ بو دتی سی جاں — پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شاں
لے شرق سے تا غرب لگا باٹ تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر — اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر — اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا ساتھ تو پھر کیا

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مست شرابی — ہونٹوں سے جدا کی نہ کبھی مے کی گلابی
کی لاکھ طرح عیش کی مستی و خرابی — جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا

عامل ہوئے ہم لاکھ اگر نقش ازل سے — لوگوں کو بچانے لگے بھوتوں کے خلل سے
جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے — دیووں کو جو تعویذ و فلیتہ و عمل سے

تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے دھومی — پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آخر کو اجل سر کے اوپر آن کے گھومی — اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا

گر ہم نے اطبا ہو طبابت کی قسم لی — چیز اور سوا طب کے سرانجام کی کم لی
جب تن کے اوپر مرگ نے آ ڈال دی کملی — اک دم میں ہوا ہو گئے سب نظری و عملی
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

گر اک پہ ہوا منصب و جاگیر کا فقشا — اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا — اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ — سب زر کے طلبگار ہیں لے ماہی سے تا ماہ
مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈھے ہے کوئی جاہ — دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

فنا کا راز

جو مرنا مرنا کہتے ہیں وہ مرنا کیا بتلائے کوئی
واں جو ہر یا ہیں گھول ملے سب اپنی اپنی چھوڑ دوئی
سی ڈالی آنکھ دورنگی کی جب یک رنگی نے مار سوئی
سنے مردوں کا غل شور رہا نے عورت کی کچھ آہ ادئی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر و پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

نقارہ ڈھول بجتا تھا اور کیا کیا تھی آواز بڑی
جب پھوٹ گیا پھر دیکھو تو آواز سب اسکی کہاں گئی
نر مادہ دونوں ایک ہوئے جب آن بھرم کی کھال پھٹی
نے نر کا کچھ نر مول رہا نے مادہ کی پہچان رہی
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر و پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

ہر چار طرف اجیالی تھی اس تیل سکوری پانی کی
وہ جوت نہ تھی اس دئے کی تھی اور کسی کی اجیالی
سب گھر کے بیچ اجالا تھا کیا نوک بندی تھی نور بھری
جب دیوا بجھ کر سرد ہوا پھر چھائے گئی کل اندھیاری
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

تھا جب تک خاصہ دودھ بنا تھی کیا کیا اس میں تیز دھری
براق ملائی ماکھن تھا اور کھویا گاڑھا اور تری
جب پھٹ کر ٹکڑے دودھ ہوا پھر کہاں گئی وہ چکنائی
نے دودھ رہا نے دہی رہا نے روغن مسکہ چھاچھ مہی
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی

اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سی کہئے کون موئی
یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو لکڑی میں تھی آگ لگی
جب بجھ کر ٹھنڈی راکھ ہوئی پھر اسکی آنچ کہاں پہنچی
یاں ایک طرف کو دولھا تھا اور ایک طرف کو دولھن تھی
جب دونوں مل کر ایک ہوئے پھر بات رہی کیا پردے کی
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی
یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو مٹکی ڈالی پانی میں
اور رستے میں جب پھوٹ گئی ہاتھوں کی اینچا تانی میں
لے راجہ کا سارا رہا نے بھید رہا کچھ رانی میں
جا ٹھیرے مل گئے گھڑے میں اور پانی مل گیا پانی میں
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی
یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو گھڑا پانی بھیگا تھا
جب سوکھا دھوپ کے اندر تو پھر پانی اسکا کہاں گیا
سب مردہ مردہ بول اٹھے واں اور کسی نے رنگ رلا
لے بھرم رہا نہ زیادہ کا نے دھوکا ہاتھی بیٹھ گئے
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

یاں جن کو جینا مرنا ہے اے یار انھیں کو ڈرنا ہے
جب دونوں دکھ سکھ دور ہوئے پھر جینا ہے نے مرنا ہے
اس بھول بھلیاں چکر میں ٹک رستہ بھید اگر نا ہے
سب چھوڑ بھرم کی باتوں کو اس بات اُپر دل دھرنا ہے
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

حق ناحق اس سے کون لڑے جو مرنا سمجھے جینے کو
چلنے کا رہنا نام رکھیں اور جینا کھانے پینے کو
جو مر گئے آگے مرنے سے وہ جانیں بھید قرینے کو
ہو خاصی دولھن جالیٹی اس لال بنے رنگ بھینے کو
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

کیا صورت لوگ لگائی کی کیا نقشہ ناری نربت کا
کیا رنگ بنے کا روپ ہوئے کیا سوانگ بنایا گت گت کا
جو سمجھیں ان کو آساں ہے نہیں فرق ہے رائی پربت کا
بس اور نظیر اب کیا کہئے ہے زور تماشا قدرت کا
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

انجام

کی وصل میں دلبر نے عنایات تو پھر کیا　　یا ظلم سے دی ہجر کی آفات تو پھر کیا
غصہ رہا یا پیار سے کی بات تو پھر کیا　　گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہوگئی اوقات تو پھر کیا

تھے وہ جو درِ لعل سے بہتر لب و دنداں　　آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملنا ہو بھلا خاک کے درمیاں　　دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں مری جاں
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا

دنیا میں اگر ہم کو ملا تختِ سلیماں　　تابع رہے سب جن و پری آدم و حیواں
جب تن سے ہوا ہو گئی وہ پودنے سی جاں　　پھر اُڑ گئی اک آن میں وہ حشمت و ساماں
سے شرق سے تا غرب دکھا ہات تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر　　اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر　　اسپ و شتر و فیل و خر و توپ و لشکر
گر قبر تلک اپنی چلا ساتھ تو پھر کیا

کامل ہو اگر روشنی کی دل کی اندھیری　　اور پاک تصرف سے کرشمات کی پھیری
جب آئی اجل پھر نہ چلی میری نہ تیری　　آخر کو جو دیکھا تو ہوئی خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف کرامات تو پھر کیا

طائر کی طرح سے اُڑے ہم گرچہ ہوا پر　　یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سا لگا کر
دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہ ہوئے تر　　جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر

گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

حجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش — اور حیلہ کشتی سے اگر کے ہمیشہ رہے دلریش
عابد ہوئے زاہد ہوئے مرتاض حق اندیش — جب آئی اجل ہائے یا حسرت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش طاعات تو پھر کیا

عامل ہوئے ہم لکھ کے اگر نقش ازل سے — لوگوں کو بچانے لگے بھوتوں کے خلل سے
جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے — وہ دن کو جو تعویذ فلیتہ و عمل سے
تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے دھومی — پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آخر کو اجل سر کے اوپر آن کے گھومی — اس عمر دو روزہ میں اگر ہو گئے نجومی
سب چھان لئے ارض و سموات تو پھر کیا

گر ہم نے اطبا ہو طبابت کی رقم لی — چیز اور مطب کے سر انجام کی کم لی
جب سر کے اوپر مرگ نے آ ڈال دی کملی — اک دم میں ہوا ہو گئی سب نظری و عملی
تھے یاد جو اسباب علامات تو پھر کیا

گر ایک پہ ہوا منصب و جاگیر کا نقشا — اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مر ہی گئے پھر — اس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا آخر اوقات تو پھر کیا

دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ — سب زر کے طلبگار ہیں لے ماہی سے تا ماہ
مرنا ہے کوئی حال ہو ڈھونڈے ہی کوئی جاہ — دولت ہی کا ملنا ہے تو بھی بے نظر راہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

آخر خاک

دنیا میں کوئی شاد کوئی دردناک ہے — یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے
ہر ایک دم سے جان کا ہر دم تپاک ہے — ناپاک تن پلید نجس یا کہ پاک ہے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اس جا بڑا ظہور — لے عرش تا بہ فرش چمکتا ہے جنکا نور
گزرے ہے انکی قبر پہ جب وحش اور طیور — رو رو یہی کہے ہیں ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جبکہ انبیا اور اولیا اُٹھے — اجسام پاک ان کے اسی خاک میں رہے
روحیں ہیں خوب مرتبے روحونکے ہیں بڑے — پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا مجھے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص تھے جو سات ولایت کے بادشاہ — حشمت میں جنکی عرش سے اونچی تھی بارگاہ
مرتے ہی انکے تن ہوئے گلیوں کی خاکِ راہ — اب ان کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کجکلاہ — تن جن کے مثل پھول تھے اور منہ بھی رشکِ ماہ
جاتی ہے انکی قبر پہ جسدم مری نگاہ — روتا ہوں جب تو میں بھی یہی کہکے دلمیں آہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

عمدوں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا — مفلس کا تن پڑا رہا ماٹی اوپر پڑا
قایم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں رہا — دونوں کو خاک کھا گئی یارو کہو نہیں کیا

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن — اور ایک یوں پڑا رہا بیکس برہنہ تن
کیڑے مکوڑے کھا گئے دونو نکے تن بدن — دیکھی جو ہمنے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جبتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا — پھر خاک اسکو ہونا ہے یار وجدا جدا
ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا — زر سیم کوڑی لال زمرد اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے اور آخر کو خاک ہے

گڑھ کوٹ توپ رہکلہ تیغ و کمان و تیر — باغ و چمن محل و مکانات دل پذیر
ہونا ہے سب کو آہ اسی راہ میں خمیر — میری زباں پہ ابتو یہی بات ہے نظیر
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

انوار احمدی پریس الہ آباد کی چھپی ہوئی

اردو کی بہترین کتابیں

اور بہت سے بہترین افسانے چھپ رہے ہیں۔